

# الحجر

مولانا سعید الرحمن علوی

## حجر کی لغوی و شرعی تحقیق

حَجْرٌ يَحْجُرُ حَجْرًا نًا وَحَجْرًا وَحَجْرًا نًا وَحَجْرًا

وَحَجْرًا نًا ————— علیہ منعه من التصرف بماله -

یعنی ”علی“ کے صلہ کے ساتھ کسی کو اس کے مال میں مطلق تصرف سے منع کرنے پر بولاجاتا ہے علیہ الامر کا مفہوم ہوتا ہے۔ منعه عنہ۔

اسی طرح۔ حجر یحجر حجرا وحجرا علیہ الامر ای حرّمہ علیہ لہ  
 ہکذا فی المنجد الابجدی وقال صاحب المنجد الحجر مصدر —  
 المنع مطلقا الحرام یقال هذا حجرٌ علیک ای حرام علیک لہ  
 کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہی لغوی بحث ”المنجد“ میں موجود ہے۔

(المنجد فی اللغة والادب والعلوم ۳۴)

الحجر فی اللغة۔ التصیق والمنع ومنه قول الرسول صلی اللہ  
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمن قال اللهم ارحمني واسحمني  
 محمدا ولا تبرحوا معنا احداً

”لقد حجرت واسعایا اعرابی“

ومعناه فی الشرع: منع الانسان من التصرف فی ماله لہ  
 لغت میں حجر کہتے ہیں تنگی کرنا اور منع کرنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد

اسی مفہوم میں ہے جو آپ نے ایک دیہاتی سے کہا تھا۔ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کر رہا تھا کہ: اے اللہ، تو مجھ پر رحم کر اور محمد پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر آپ نے اس سے فرمایا۔

اے دیہاتی! تو نے اس ذات کی رحمت کو محدود و تنگ کر دیا جو بڑی وسعت والی ہے۔ اور شریعت میں اس کا معنی ہے۔ انسان کو اس کے مال میں تصرف سے روک دینا۔ الحج کا نفویٰ معنی مطلق روکنا ہے جو بھی رکاوٹ ہو اور شرعاً یہ کچھ ایک خاص طریق سے تصرف سے منع کرنا ہے

الحجر وهو لغة يقال للمنع والحرام وللمقدم الشوب حجر کو لغت میں کہتے ہیں منع کرنا۔ حرام اور کپڑے کے سامنے کا حصہ۔

وشرعاً قال ابن عرفه صفة حكمية توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه في الزائد على قوته او تبرعه باله، قال وبه دخل حجر المريض والزوجة له

اور شرعاً اس کا مفہوم ابن عرفہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ ایک ایسی صفت حکمی جو اس کے موصوف کو اپنے زائد مال میں تصرف سے روک دے یہ روکنا قوت کے سبب ہو یا اخلاقی اقدار کا لحاظ کر کے، کسی مریض کو وقتی طور پر روک دینا یا اپنی اہلیہ کا ہاتھ پکڑ لینا اور اس کو روک دینا بھی اس ضمن میں آتا ہے۔

الحجر في اللغة: المنع والتضييق ومنه سمي العرام حجراً قال الله تعالى (۵: ۸۹) هل في ذلك قسم لذي حجر (ای عقل سمی حجراً لانه يمنع صاحبه من ارتكاب ما يبيح وتضرعاقبة وهو في الشريعة منع الانسان من التصرف في ماله۔

یعنی حجر اخلاقی میں منع اور تضييق (تنگی) کا نام ہے۔ حرام کو حجر سے موسوم کیا گیا جیسا کہ قرآن عزیز کی سورۃ ۲۵ آیت ۲۶ کا کلمہ ہے ”ویقولون حجراً محجوراً“ اور عقل کو بھی اس

سے موسوم کیا گیا جیسا کہ قرآن عزیز کی سورۃ ۸۹ کی آیت ۵ میں ہے ” ھد فی ذالک قسم الذی حجر “ عقل کو اس سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ انسان کو ان چیزوں سے روکتی ہے جو قبح اور برہی ہیں اور جن کا انجام نقصان دہ ہے اور شریعت میں حجر نام ہے انسان کو اس کے مال میں تصرف سے روکنے کا۔

الحجر هو لغة المنع وشرع المنع من التصرفات المالية  
والاصل فيه قوله تعالى (واهلكوا ليتامى حتى اذا بلغوا النكاح..)  
وقوله تعالى (فان كان الذي عليه الحق سفيها او ضعيفا) وقد  
فسر الشافعي رحمه الله تعالى السفيه بالمبذر والضعيف بالمصبى  
والكبير بالمختل والذي لا يستطيع ان يبيل بالمغلوب على عقله فاخبر الله تعالى  
ان هولاء يتوب عنهم اولياءهم فدل على ثبوت الحجر عليهم

حجرت میں منع کو کہتے ہیں اور شریعت میں تصرفات مالیہ سے روکنے کو، اس میں اصل بنیاد قرآن عزیز کی سورۃ نسا کی یہ آیت ہے جس میں ارشاد ہے، ” اور سدھاتے رہو تمیوں کو جب تک سنجیں نکاح کی عمر کو اور دوسرا یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے اس کا وکیل انصاف سے ملے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ” سفیہ “ کی تفسیر تو ” مبذر “ (بے جا اڑانے والا) ہے کی بے ضعیف کی بوجہ کیسا تھ اور کبیر کی عقل کے ساتھ (جس کو خصل دماغ کا عارضہ لاحق ہو) اور جو طاقت نہیں رکھتا کہ گھوا سکے اس کی تفسیر کی اس کے ساتھ جس کی عقل مغلوب ہو چکی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان سب کی طرف نائب ہوں ان کے وارث وکیل۔ اور یہی بات ان کے حق میں حجر کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے۔

حجر کا عربی میں لغوی معنی بچاؤ ہے علاوہ ازیں رکاوٹ پابندی ممانعت، مزاحمت کے لیے ایک خاص مطلق ہے اور کسی حق یا شئی کے مصرف میں لانے یا سبب، صدقہ، عطیہ، بیع و شری نکاح و طلاق وغیرہ کے اختیار پر پابندی کا عمل اور اس کا نتیجہ دونوں مراد میں ملد

حضرات احناف فرماتے ہیں۔

هو عبارة عن منع مخصوص، متعلق بشخص مخصوص عن تصرف

مخصوص او عن نفاذ ذلك التصرف۔

مالکیرہ کہتے ہیں۔

الحجر توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه فيما زاد

على قوته كما يوجب منعه في نفوذ تصرفه في تبرعه

بذات على ثلث مالہ۔

تبرع اور حجب بل بعض مال کے ساتھ اسے مخصوص قرار دیتے ہیں اس لیے وہ تعریف کرتے ہیں۔

هو منع مالك عن تصرفه في مالہ۔

تجربہ بعض ائمہ نے حج کو بڑی وسعت دی اور کہا کہ ہر وہ عمل روکا جاسکتا ہے جس کا ضرر

دوسروں تک پہنچے جیسے نیم حکیم کو طب سے جاہل مفتی کو فتویٰ سے۔ اسی طرح ہر مضرت  
رساں عمل پر پابندی لگائی جاسکتی ہے لہ

اس مختصر سی لغوی بحث سے، جس میں شرعی بحث بھی آگئی، یہ بات طے ہو جاتی ہے

کہ ”حجر“ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا تعلق کسی فرد یا جماعت کو مختلف قسم کے تصرفات سے

روکنا ہے جب کہ ان کے تصرف سے بگاڑ و فساد اور ضرر و نقصان کا اندیشہ ہو اور

بالخصوص اس کا تعلق مالی تصرفات سے روکنے سے ہے اس لیے کہ مال جو جلال ذریعہ

سے حاصل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس کی حفاظت بے حد لازم ہے بے احتیاطی

بے تدبیری۔ ایسے اسباب سے اگر وہ ضائع ہو جائے تو جہاں متعلقہ شخص کا نقصان ہوگا

وہاں اور بھی بہت سے لوگ نقصان کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے

کچھ ضوابط و حدود تجویز فرمادیے ہیں تاکہ فساد و بگاڑ سے بچایا سکے انہی ضوابط و حدود میں

سے ایک ”الحجر“ ہے جس کے متعلق یہاں گفتگو مقصود ہے۔

جس شخص کو ”حجر“ کے ذریعہ تصرفات سے پابند کیا جائے اسے ”محجور“

کہا جاتا ہے۔

## حجر کے اسباب

کون کون سے لوگ ایسے ہیں جنہیں اس قسم کی پابندیوں کے ذریعہ روکا جاسکتا ہے:-  
 (الف) نابالغ (ب) غیر عاقل (ج) خیر ذمے دار بالخصوص فضول خرچ شخص (د) دیوالیہ  
 (رہ) غلام جب کہ مالک کی طرف سے اسے لین دین کی اجازت نہ ہو بلکہ  
 فقہ ابن حزم ظاہری میں ہے۔

لا يجوز الحجر على احد في ماله الا على من لم يبلغ او على مجنون في  
 حال جنونه.... ولا اعتراض لاب ولا لزواج ولا لحاكم في شيء من

ذالك الا ما كان معصية لله تعالى فهو باطل مردود على

اس عبارت سے نابالغ، مجنون اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کر نیوالے کے لیے حجر  
 ثابت ہوتا ہے۔ آخری حصہ کا یہی مفہوم ہے کہ باپ کو بیٹے پر زوج کو بیوی پر اور حاکم کو رعیت پر  
 پکری چیز میں اعتراض کا حق نہیں ہاں جو چیز اللہ تعالیٰ کی معصیت بنتی ہو وہ باطل اور مردود ہے۔  
 ابن قدامہ نے حجر کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔  
 ایک تو کسی پر پابندی لگانا اس کے ذاتی مفاد میں۔ دوسرے پابندی لگانا دوسرے  
 کی وجہ سے!

دوسرے کی وجہ سے جو پابندی لگائی جاسکتی ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

(الف) مقروض پر پابندی قرض خواہوں کی وجہ سے (ب) مریض پر پابندی ورثا  
 کی وجہ سے (ج) مکاتب اور غلام پر آقا کی وجہ سے (د) راہن پر مرتن کی وجہ سے اور کسی  
 کے ذاتی مفاد میں جو پابندی لگائی جاتی ہے اس میں الصبی (بچہ) مجنون اور سفیہ (بیوقوف)  
 شامل ہیں ۱۱۱

الهدایہ میں ہے۔

الاسباب الموجبة للحجر ثلاثة! الصغر، والرق، والمجنون۔

یعنی جو اسباب حجر کا باعث بنتے ہیں وہ تین ہیں کم سنی، غلامی اور جنون۔ جب کہ امام  
 محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

يحجر على السفية ويمتنع من التصرف في ماله لانه مبداء ماله  
بصرفه لا على الوجه الذي يقتضيه العقل فيحجر عليه نظرا  
له اعتبارا بالصبي بل اولي لان الثابت في حق الصبي احتمال التبذير  
وفي حقه حقيقة ولهذا منع عنه المال ثم هو لا يفيد بدون الحجر  
لانه يتلف بلسانه ما منع من يده - ۱۶

یعنی سفیہ (بے وقوف، کم عقل) پر پابندی لگائی جائے گی اور اسے مال میں تصرف سے  
روکا جائے گا کیونکہ وہ اپنے مال کو فضول طریق سے برباد کر رہا ہے اس کے خرچ کا وہ  
انداز نہیں جس کا عقل تقاضا کرتی ہے اور جسے عقل پسند کرتی ہے۔

اس لیے ایسے شخص پر پابندی لگائی جائے گی اس کے حال کا بچہ کے ساتھ اعتبار کرتے  
ہوئے، کیونکہ بچہ کے حق میں تذبذب (فضول خرچی) کا احتمال ہے اور شخص فی الحقیقت اور بالفعل  
فضول خرچی کا مرتکب ہو رہا ہے لہذا اس کا مال روکا جائے گا اور یہ ممانعت جرح کے بغیر مفید  
نہیں کیونکہ محض زبان سے روکنا بے مفید ہے ہاتھ سے روکنا اور پابندی لگانا ہی مفید ہوگا  
یعنی لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

صاحب منہاج لکھتے ہیں۔

منه حجر المفسس لحق الغرماء والراهن للمرتهن والمریض

للورثته والعید لسیدہ والمرتد للمسلمین ولها ابواب و

مقصود الباب حجر المجنون والصبی، والمبذر۔ ۱۷

یعنی مفسس کو روکنا قرض خواہوں کے لیے، راہن کو مرتن کے لیے، مریض کو وارثوں  
کے لیے، غلاموں کو آقا کے لیے اور مرتد کو مسلمانوں کے لیے اس کے کئی ابواب ہیں اور  
جو ابواب مقصود ہیں وہ ہیں مجنون، بچے اور مبذر کا حجر اور انہیں روکنا۔

صاحب قدوری نے اسباب حجرتین شمار کیے ہیں نابالغ ہونا غلام ہونا، پاگل ہونا۔ اور

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے سفیہ کو بھی  
اس میں شامل کیا ۱۷

ابن رشد مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

نابالغ بچوں پر حجر کے سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے جب تک کہ وہ بالغ ہو کر صاحب عقل و مرد نہ ہو جائیں رہ گئے وہ لوگ جو بالغ ہیں مائل ہیں اور فضول خرچ ہیں (الحجر علی العقلا الکبار اذا اظهروا منہم تینذیر لاسوالہم) تو ایسے شخص کے معاملہ میں امام مالک، امام شافعی، اہل مدینہ اور اکثر اہل عراق (احناف) کا یہی موقف ہے کہ ان پر پابندی لگائی جائے حضرات صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے (جب کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی موقف ہے جیسا کہ آگے آگے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اس بحث کے اختتام پر وہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اسباب حجر چھ گنواتے ہیں۔

الضعیف۔ السفیہ۔ العبد۔ المفلس۔ المریض۔ الزوجة۔ ۹۔

العلامة ابو البرکات لکھتے ہیں

سبب الحجر ای اسبابہ سبعة۔

خمسة عامة واثان خاصان بما زاد علی الثلث

و اشار للخمسة العامة بقوله۔

فلس بالمعنى الاعمدا والاخص۔

وحتون بصرع او استیلاء و سواس۔

وصبیا۔

وتبذیر مال

ورق و اشار بقوله۔

ومرض متصل بموت و نکتاح بزوجة ای فالزوج یحجر علیها

فیها زاد علی الثلث۔ ۱۰۔

یعنی اس کے اسباب سات ہیں پانچ تو عام ہیں اور دو خاص ہیں جن کا تعلق ایک تہائی مال سے زائد کے ساتھ ہے۔

جو پانچ عام ہیں ان میں سے ایک تو مفلس ہونا ہے دوسرا مجنون ہونا ہے اس میں عام ہے کہ کوئی شخص جن کے حادثہ کا شکار ہو یا دوسرا اس کا شکار ہو تیسرا بچہ ہونا چوتھا تنبذ ہے جس کا تعلق حماقت و بے وقوفی سے ہے پانچواں سبب غلامی ہے اور جو دو خاص اسباب ہیں جن کا تعلق ایک تھائی مال سے زائد کے ساتھ ہے ان میں سے ایک تو مرض الموت ہے کہ مریض کو اپنے مال کے ٹہ حصہ سے متعلق کسی قسم کی وصیت کا حق ہے اس سے زائد چونکہ وراثت کا نقصان ہے اس لیے اس کی اجازت نہ ہوگی اور اس پر پابندی لگائی جائے گی۔

دوسرا زوجہ کا معاملہ ہے کہ ایک میاں اپنی آزاد، عقل مند، صحیح الدماغ اور تندرست بیوی پر ٹہ مال کی حد تک تو پابندی نہیں لگا سکتا اس سے زائد پر پابندی کی اسے اجازت ہے۔ السید سابق نے حجر کی دو قسمیں لکھی ہیں حق الغیر جیسے مفلس پر حجر لگانا تاکہ وہ اپنے قرض نواہوں کے حقوق کا اتلاف نہ کر سکے جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پابندی لگا دی اور ان کا مال ان کے قرض کے بدلے بیچ ڈالا۔

فقد حجر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

على معاذ وباع ماله في دينه

(رواہ سعید بن منصور) اور دوسرا حجر لحفظ النفس جیسے صغیر مجنون، اور سفید پر پابندی

فان في الحجر على هؤلاء مصلحة تعود عليهم بخلاف المفلس کہ ان پر

پابندی کی مصلحت کا فائدہ ان کو ہوگا بخلاف مفلس کے کہ اس کا فائدہ دوسروں کو ہوگا لہذا

اسباب حجر کے تحت جو گفتگو ہوئی اس سے اندازہ ہو گیا کہ بعض اسباب ایسے ہیں

جن کا تعلق فی نفسہ اس شخص سے ہے جس پر حجر و پابندی عائد کی جا رہی ہے جیسے بچہ مجنون،

سفید وغیرہ جب کہ بعض ایسے اسباب ہیں جن کا مفاد دوسروں کو پہنچتا ہے جیسے مفلس

کہ ایک شخص مالی ابتری کا شکار ہے، مقروض ہے۔ اس پر اجازت کے سلسلہ میں

رکاوٹ و پابندی اس کے قرضوں کو ہونے کے لیے ہوگی تاکہ انہیں ان کا قرض واپس مل

سکے گو کہ کسی درجہ میں فائدہ اس کو بھی ہوگا کہ یہ قرض سے اس طرح سبکدوش ہو سکے گا۔

یا مرض الموت کا شکار مریض کہ اس پر پابندی کا فائدہ اس کے وارثوں کو ہوگا۔ اور اگر



تمام اسباب کو جمع کر کے ان کا خلاصہ نکالا جائے اور اس کی روح بیان کی جائے تو، دفع مضرت و رفع فتنہ و فساد، پر بحث اگر کر کے گی اور کہا جائے گا کہ شریعت اس قسم کی پابندیاں اس لیے لگاتی ہے تاکہ فرد اور معاشرہ فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ مال و دولت کا ضیاع نہ ہو اور انسان ہر قسم کی حسمت و الزام سے بچ سکے۔ امام مالک، ابویوسف امام محمد بن حسن شیبانی اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے متقین اور اسلامک لاء کے ماہرین ایک مسرف و مبذر پر پابندی کی بات کرتے ہیں اور بہت انتظامیہ کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ایسے شخص پر تصرفات مالیہ کے سلسلہ میں رکاوٹ و پابندی عائد کریں تو ظاہر ہے کہ اسی لیے کہ مال و دولت کا ضیاع نہ ہو، کچھ لوگوں کے حقوق تلف نہ ہوں اور معاشرہ میں فساد و بگاڑ پیدا نہ ہو۔

ان ائمہ کے نزدیک وہ قرض دار بھی حرج کی زد میں آتا ہے جو اپنا قرض ادا کرنے کے

لیے اپنی جائیداد بیچنے سے انکار کرتا ہے ۳۲

اس سوال سے حکومت ان لوگوں کے حالات پر سنجیدگی سے غور کرے جو بینکوں سے لاکھوں کروڑوں کے قرض لے کر پلانز اور صنعتی پلانٹ وغیرہ بنا کر جائیداد بناتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب بینک ان سے واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ بینکوں کو عدالتی حکم امتناعی کے چکر میں الجھا کر ان کا مزید نقصان کرتے ہیں اور اس طرح سٹیٹ اور رعایا کا بے حد نقصان ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اپنے الٹے اڑاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح یہ ائمہ اس شخص کو بھی حرج کا مستحق گردانتے ہیں جو مختلف النوع قومی ذمہ داریاں یا قرض کی ادائیگی سے بچنے کی غرض سے جائیداد کے جعلی انتقال کرتا پھرے اور صرف

ذمہ داریوں سے بچنے کی غرض سے انہیں ادھر سے ادھر گزردے ۳۳

یہ صورت حال بھی بڑی ناگہبے خاص طور پر ہمارے ملک میں جہاں ایک خاص طبقہ ملک کی غالب جاگیر و جائیداد پر ہی مسلط نہیں بلکہ انتظامیہ، مقننہ عدلیہ اور دوسرے ہر شعبہ پر اس کا کنٹرول ہے۔ یہی طبقہ اب جاگیر و جائیداد پر قبضہ سے آگے بڑھ کر تجارت و صنعت پر بھی چھا پکا ہے اول تو اس کے پاس جو جاگیر ہے وہ ہی محل نظر ہے

کہ اس کے اباؤ اجداد نے قومی مفادات کا سودا کر کے غیر ملکی سامراج اور آقاؤں سے یہ جاگیر حاصل کی۔ پھر اس نے سرکاری ٹیکسز اور الہی ٹیکسز (عشر وغیرہ) کی ادائیگی کی کبھی فکر نہیں کی (الامشاء اللہ تعالیٰ) اس نے تجوریائی بھریں اور مختلف ذرائع و اسباب سے سیاست و نظم اور عدل و مقننہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کی ستم ظریفی کا یہ عالم ہے کہ وہ زکوٰۃ تک جیسے لازمی حکم سے بچنے کی غرض سے سال ختم ہونے سے چند دن قبل اپنا سرمایہ اپنی بیوی وغیرہ کے نام منتقل کر دیتا ہے اور اگلے سال وہ پھر اسی طرح مالک ہوتا ہے۔ اور جب کبھی حکومت اس جائیداد و جاگیر کے حصے بخرے کرنے کا سوچتی ہے تو وہ جعلی انتخابات سے جائیداد کو ادھر ادھر کر دیتا ہے ایسے اشخاص پر حرج و پابندی بے حد ضروری ہے۔ ہم اپنے ملک کی مختصر تاریخ میں زرعی اصلاحات کے نام پر تین مرتبہ (دولتانہ۔ ایوب۔ بھٹو کے ادوار) اس قسم کے جعل و فراڈ سے گذر چکے ہیں اس لیے ملک کے اہل علم اور بالخصوص حکومتی اداروں اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی تحقیقاتی ادارہ اور شریعت کورٹ پر لازم ہے کہ وہ اس کا سدباب کر لے اور سدباب کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس قسم کے لوگ جج کے ذریعہ پابند کر دیئے جائیں۔ یہ لوگ اور اس قسم کے افراد صرف اسی جرم کے مرتکب نہیں ہوتے یہ ”تبدیر“ کی ضمن میں بھی آتے ہیں اس لیے ان پر پابندی لازم ہے۔ اس کا ذکر ہم آئندہ چل کر کریں گے۔

## حجر اور کورٹ آف وارڈ کی بنیاد

حضرات فقہاء کرام نے حجر جس کو مروجہ اصطلاح میں کورٹ آف وارڈ کہتے ہیں کی بنیاد کتاب و سنت پر ہی رکھی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔

وَلَا تَتَوَلَّوْا السَّبِيحَاءَ اَمْ اَلَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا وَّارْثًا وَرِثَةً

فِيهَا وَاكْسُوْهُم وَّقُولُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا۔ ۲۴

اور دیکھو! مال و متاع کو اللہ نے تمہارے لیے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے پس ایسا نہ کرو کہ تم غرض آرمیوں کے حوالے کر دو (یعنی کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کر دو اگر وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ ان مال میں سے ان کے کھا۔ نہ اور کپڑے کا انتظام کر دیا جائے اور نیکی اور بطلانی کی بات انہیں سجدی جائے ۷۸

مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے پس جب تک تیم بچے عاقل و بالغ نہ ہو جائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت نہ کر سکیں مال و متاع ان کے قبضے میں نہ دے دو ۲۶

مولانا شبلیہ احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لیے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو سامان کا ہوش نہ آئے اس وقت تک ان کو اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے ہم تو تمہاری خیر خواہی کر رہے ہیں جب سمجھ دار ہو جاؤ گے تم کو ہی دے دیں گے ۲۷

قربطی فرماتے ہیں۔

بین ان السفیہ وغیر البالغ لا یجوزن دفع مالہ الیہ ۲۸

واضح ہو گیا کہ سفیہ اور نابالغ کو اس کا مال دینا اور سپرد کرنا درست نہیں۔

”السفیة کون ہے؟“

زجاج کہتے ہیں کہ سفیہ ”سفاہ“ سے ہے جس کا معنی ”جھل“ ہے اسی جھل امرفیہ فلم یفکر فیہا کسائی، انفس سے بھی یہی نقل کتے ہیں ”یعنی“

”جھل فی نفسہ“

ابن حجر کہتے ہیں۔

”معناه جھل نفسہ وما فیہا من العادات والآیات المآلۃ علی ان

لها صانع الیس کثلہ شیء فعملیہ توحید اللہ و قدرتہ ۲۹

سالم سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ سفیاء بتامی ہیں۔ اسمعیل بن خالد، ابو مالک سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اولاد صغار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

من لم یتفقہ فلا یجوز فی سوتنا فذلک قولہ تعالیٰ ولا تؤتوا السفیاء اموالکم

یعنی الجہال بالا حکام۔ سمجھ بوجھ سے عاری۔ احکام سے نا آشنا۔  
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔  
السفہاء هنا کل من یتحق الحجر۔

کہ سفہاء سے مراد یہاں ہر وہ شخص ہے جو حجر کا مستحق ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ تعریف بالکل جامع ہے۔

سفیہہ کے کئی روپ ہیں، صغیر سنی اور کم سنی بھی سفاہت کی ایک قسم ہے۔ جنون وغیرہ کے سبب عقل کا فقدان بھی اس میں شامل ہے ایسی حالت کہ آدمی اپنے مال کے معاملہ میں بری سوچ اور نظر کا شکار ہو کر (اڑاتا رہے) آگے لکھتے ہیں۔

واما الجاہل بالا حکام۔۔۔ فلا یدفع الیہ المال لجملة بفاسد البیعات وصحیحہا وما یحل وما ینصرم منها۔

جو شخص احکامات دینیہ سے جاہل ہے اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا کہ اسے معلوم نہیں کہ صحیح تجارت و بیع کون سی ہے حلال کیا ہے اور حرام کیا۔  
امام مالک اور جمہور فقہاء اسی بحث میں سفیہ اور کبر السن (بوڑھا) کو حجر کا مستحق گردانتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس شکل میں اس پر حجر کی پابندی لازم قرار دیتے ہیں جب وہ اپنے مال کو منافع کرنے والا ہو۔

”الآن ینکون معسداً لہ فاذا کان کذا کان کذا منع من تسلیم المال الیہ للہ الخ

ترجمہ: الجہا ص الخفی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

یقطنی خطاب کل واحد منهم بالنہی عن دفع مالہ الی السفہاء لما فی ذالک من تخیعہ لعجزہ ولان عن القیام بحفظہ وشمیرہ ۳۳

یعنی سفہاء کے سپرد مال نہ کیا جائے کہ وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کو شہر آور

نہیں کر سکتے (بلکہ برباد کر دیں گے)

آگے فرماتے ہیں۔

وفيه الدلالة على النهي عن تضييع المال

ووجوب حفظه وتدبيره والقيام به

یعنی اس حکم میں اس بات کی دلالت ہے کہ مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے اور اس کی حفاظت لازم ہے۔

پھر شیخ الجصاص الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تائید میں اور بہت سی آیات نقل کرتے ہیں جس میں ایک وہ آیت ہے جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے، جس میں تبتذیر سے روکا گیا ہے اور تبتذیر کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان کے بھائی بتلایا گیا اسی آیت سے فقہاء نے ایک سبب مجرب نکالا یعنی التبتذیر<sup>۳۳</sup> (جس پر آئندہ گفتگو ہوگی)

دکتور محمد محمود مجازی کہتے ہیں۔

السفها أجمع سفیه، والسفه الاضطراب فی العقل والفکر والمخلوق والمراد به

هنا من لا یحسن التصرف فی المال<sup>۳۴</sup>

یعنی سفہ عقل۔ فکر اور اخلاق میں اضطراب کا نام ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص

تصرف مالی میں احسن طریق اختیار نہ کرے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں۔

وهم (لئے السفها) اقسام فمارة یکون الحجر للصغیر فان مسلوب العبارة

وتارة یکون الحجر للجنون وقادة لسوء التصرف لنقص العقل

او الدین ریح<sup>۳۵</sup>

گویا عقل یا دین کے نقص کے سبب سوء تصرف کا اس پر اطلاق کیا گیا ہے۔

کشاف میں ہے۔

السفها المبتذرون اموالهم الذین ینفقونها فی مالا ینبغی الخ<sup>۳۶</sup>

یعنی سفہا وہ فضول خرچ افراد ہیں جو اپنا مال نامناسب طریق سے خرچ کرتے ہیں۔

السید محمد رشید رضا مصری فرماتے ہیں۔

ان السفه هو الاضطراب في الرأى والفكر والاخلاق... واستعمل في  
حفة النفس نقصان العقل وفي الامور الدنيوية والاخرية ثم  
جعل السفه في الامور الدنيوية... فالسفه هنا المبدرون اموالهم  
ينفقونها فيما لا ينبغي وليسيون التصرف باناها وتتميرها.....

قال الاستاذ لا يحسن التصرف في ماله الخ ۳۳۵

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بڑی واضح ہے کہ جو شخص رائے، فکر اور اخلاق میں اضطراب کا شکار ہے۔ بس کی عقل ناقص ہے دینی اور اخروی امور میں جو غیر محتاط ہے۔ مبد رہے نامتناہی جگہ مال خرچ کرتا ہے۔ اور حسن تصرف کا اہتمام نہیں کرتا وہ سفیہ ہے۔  
دوسری آیت۔

سورہ نساء کی آیت ۶ کو بھی بعض حضرات نے اس سلسلہ میں دلیل کے طور پر پیش کیا  
اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر انہیں آزماتے رہو کہ ان کی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے، یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔  
مولانا شبیر احمد عثمان نے لکھا کہ جب ان میں (یتیموں میں) نفع و نقصان کی سمجھ آجائے اور وہ حفاظت اور انتظام مال کے سلیقہ سے آشنا ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔  
(اس سے قبل نہیں) ۳۳۶

ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ہے۔

صلاحی دیہم وحفظ الاموالہم وکذا روی عن عباس والحسن البصری وغیر

واحد من الائمة وهکذا قال الفقہاء الخ ۳۳۷

گویا اس میں دینی طور پر صلاحیت پیدا ہو جائے اور مال کی حفاظت کا اس میں شعور پیدا ہو جائے تو حجر کا قصہ ختم۔ اب مال اس کے سپرد کیا جاسکتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس خواجہ حسن بصری وغیرہ ائمہ اور فقہاء کا یہی قول ہے۔

حجازی کہتے ہیں۔

حتی تبینوا رشدہم وکمال تصرفینہم ۴۳

ان کا رشد (دینی صلاحیت، عقلی کمال) اور خرچ کا کمال واضح ہو جائے۔  
الصابونی فرماتے ہیں۔

لے ان ابصرتم منہم صلاحی دینہم ومالہم قادفوا

الیہم اموالہم بدون تاخیر ۴۴

یعنی جب تم ان میں دینی اور مالی اصلاح دیکھ لو تو بغیر تاخیر ان کا مال ان کے سپرد  
کر دو۔

قرطبی نے ”رشد“ جس کے مشاہدہ کے بعد مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا، اس کی  
تفسیر میں لکھا کہ:

حسن وقتادہ کہتے ہیں۔

”صلاحی العقل والبدین“

ابن عباس سدی اور ثوری کہتے ہیں۔

”صلاحی العقل وحفظ المال ۴۵“

سنن الکبریٰ لمہدی میں ہے۔

الرشد هو اصلاح فی الدین والمال

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے نقل کیا۔

الرشد هو الدین ۴۶

جس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اصل بات دین داری ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ ایک  
شخص خرچ اخراجات اور دوسرے معاملات میں کس حد تک احکامات ربانی کی اتباع کا  
خیال کرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بہت اچھا ورنہ اس پر پھر لگایا جائے گا۔ اس سلسلہ میں اس  
سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایک صحابی اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا

عزم رکھتا ہے، اس کا وہ حضور اقدس علیہ السلام سے ذکر کرتا ہے لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ اس شخص کا مقصد بہت اچھا ہے، پھر بھی ایک نثلث سے زائد سے اجازت نہیں دیتے تو جو شخص اپنا مال اگلے قتلوں میں خرچ کرتا ہے اور بے جا اڑاتا ہے، مکانات پر سکانات بنانا چلا جا رہا ہے گاڑی پر گاڑی خریدتا چلا جاتا ہے، کراکری، ملبوسات اور ایسی چیزوں سے گھر بھر رکھا ہے اور ایسے ہی انداز میں مال صرف کرتا ہے جبکہ معاشرہ میں غربت و افلاس ننگا ناچ رہی ہے لوگوں کا ایمان معرض خطر میں ہے، معاشی فساد پراپا ہے تو ایسے شخص پر حجر کی پابندی کیوں نہ لگائی جائے گی۔  
ایک مزید آیت -

السید سابق نے ”فقہ السنۃ“ میں سورہ الاعراف کی آیت ۳۲ کو اس ضمن میں بطور دلیل پیش کیا ہے اور بڑے نفیس طریق سے استدلال کیا ہے۔ پہلے اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو، اللہ تعالیٰ کی زمینیں جو اس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کیں ہیں؟ تم کہو، یہ نعمتیں تو اسی لیے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں، دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (بہر طرح کی مکروہات سے) خالص، دیکھو اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جانتے ہیں اللہ

یہ آیت سورہ الاعراف کے پوختہ رکوع کی پہلی آیت ہے۔ اس سے پہلے اس سورہ کے پہلے رکوع میں تو انسانیت کو برے انجام سے ڈرایا دوسرے رکوع میں سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش۔ شیطان کا مقابلہ آدم علیہ السلام پر خطاب، ان کی توبہ کی قبولیت اور پھر زمین پر رہنے کا ذکر ہے، تیسرے رکوع میں دنیا کی ضرورت کے پیش نظر ”لباس مہیا کرے“ کا ذکر ہے اور ”لباس تقویٰ“ کو سب سے بہتر لباس قرار دیا گیا۔ پھر تنبیہ کی گئی کہ اسے اولاد آدم ذرا ہوشیار ہو کر رہنا۔ کہیں تم بھی اسی طرح شیطان کے بہکاوے کا شکار ہو جاؤ جس طرح تمہارے بڑے کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ جب تک جنت میں شیطان کے پھسلانے کا قصہ پیش نہ آیا سیدنا آدم اور



ان کی اہلیہ کے ستر کا معاملہ درست تھا، جو نبی یہ حادثہ پیش آیا ستر کھل گیا اور ستر پوشی کے لیے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اب کارگاہ حیات میں شیطانی راستوں پر چلنے کا انجام شرم و حیا کی بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا۔ بد قسمتی یہ ہے کہ جب کوئی انسان حماقت اور برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا الزام بڑوں کو دیتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا؟ اصل میں تو اتباع حکم الہی کی چاہیے نہ کہ اباؤ اجداد کے راستہ کی۔ اس لیے افراط و تفریط سے بچ کر استدلال کی راہ اپناؤ۔ اپنی عبادات میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھو اس کے لیے دین میں خلوص کا مظاہرہ کرو اس لیے کہ ابتداء کی طرح تمہارا لوٹنا بھی اسی کی طرف ہو گا۔ پھر انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر کیا ایک ہدایت یافتہ دوسرا گم کردہ راہ۔ جس نے خود ساختہ گمراہیوں میں ڈال کر اپنے آپ کو غارت کر لیا ان لوگوں نے شیاطین کو اپنا دوست بنا کر گمراہی اختیار کر لی اور پھر اس پر زعم یہ ہے کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔ بنی آدم کو حکم یہ تھا اور ہے کہ عبادت کے ہر موقع پر اپنے بدن کو زیب و زینت سے آراستہ کرتے رہا کرو۔ کھاؤ پیو، مگر حد سے نہ گزرو۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والے ہیں۔

اس سورۃ کے ابتدائی تین رکوعوں کا خلاصہ اس لیے ضروری تھا کہ متعلقہ آیت کا مفہوم سمجھیں نہیں آسکتا تھا۔ تیسرے رکوع کی آخری آیت میں اسراف سے روک کر بعض اسلاف کے مطابق ”آدھی طب اس میں جمع کر دی“ اسراف کا مفہوم حد سے تجاوز کرنا ہے جس کی کئی شکلیں ہیں۔ حلال کو حرام کر لینا، حلال سے گذر کر حرام سے متوجہ ہونے لگنا، اناپ شناب بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گہر بڑھانا۔ بدون اشتہا یا نا وقت کھانا، یا اس قدر کھانا کہ جسم کی ضرورت بھی پوری نہ ہو یا مضر صحت چیزیں استعمال کرنا وغیرہ ذالک علیہ

اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر اب اعراف کی آیت ۲۳ پر غور کریں۔ اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ کر لیا۔ اب مولانا ابوالکلام کا تفسیری نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

رہبانیت یعنی جوگ پنے کار و اور اس رحل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں اور زمینیں خدا پرستی کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو کام میں لانا عین خدا کی مرضی کی تمہیل ہے۔ چنانچہ

فرمایا گیا اولاد آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو  
 میروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے کہ روحانی سعادت تب ہی مل سکتی ہے جب دنیا ترک  
 کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقنا یہ ہے کہ زینتوں اور آرائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں، قرآن  
 کہتا ہے، حقیقت اس کے عین برعکس ہے، تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر  
 دی جائیں، حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی جائیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک  
 طور پر کام میں لانا مشیت الہی کو پورا کرنا ہے (خط کشیدہ الفاظ قابل توجہ ہیں۔ ناقل)

خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے لیے ہی پیدا کیا ہے، کھاؤ، پیو، زینت  
 و آرائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گذر جاؤ، دنیا نہیں، دنیا کا اعتدال سے ہٹا ہوا استعمال  
 روحانی سعادت کے خلاف ہے۔ زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف  
 سمجھتے تھے انہیں قرآن ”ذینۃ الحثۃ“ یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں  
 الٹ دیں، وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی، اب اسی نجات  
 و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں ڈھونڈنے لگی، یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو  
 زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام  
 بے ضرر آرائشیں اور لذتیں ۱۸

حضرت علامہ مولانا شبیر احمد فرماتے ہیں :-

عالم کی تمام چیزیں اسی لیے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر  
 خالق جل و علا کی عبادت، وفاداری اور شکرگذاری میں مشغول ہو ۱۹  
 مجاز میں متصل قبل ہی آیت ”کلووا واشربوا ولا تسرفوا“ پر لکھتے ہیں۔

بل علیکم بالعدل والتوسط فلا تمقید ولا اسراف

کہ کھانے پینے میں عدل و توسط سے کام لو نہ تو بالکل ہی بخل سے کام لو نہ اسراف سے  
 پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد امام نسائی اور امام ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل

کرتے ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، ایسا لباس پہنو جس میں عجب و غرور نہ ہو اور نہ اسراف ہو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا انرا اسکے بندے کے وجود پر نظر آئے اس لیے زینت میں قطعاً حرج نہیں بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو اور عجب و تکبر نہ ہو۔

اس کے بعد اسراف کے مختلف مدارج پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جہاں فی طاقت و ضرورت سے زیادہ کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال کرنا نقصان کا باعث ہے اور اپنی معاشی حالت سے بڑھ کر استعمال کرنا بھی نقصان کا سبب ہے اور حد و دستور سے تجاوز کرنا حرام و بلائکت کا باعث ہے۔

السید سابق "سجرح علی السفیہ" کا مستقل عنوان قائم کر کے پہلے تو سورہ النساء کی آیت  
وَلَا تَقْوُتُوا السُّفَهَا السَّخِیْمَ سے استدلال کرتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں۔

دلت الایة علی جواز الحجر علی السفیہ

اور پھر ابن المنذر کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

اکثر علماء الامم یرون الحجر علی کل مضع لمالہ

صغیرا کان ام کبیرا

کہ اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مال کو ضائع کرنے والا ہو چھوٹا ہو یا بڑا اس پر حرج لازم ہے۔

اور صاحب نیل الاوطار کے حوالہ سے لکھتے ہیں

وہ حماقت و سفاہت جو حرج کا باعث بنتی ہے، وہ ہے مال کا خرچ کرنا فسق و فجور کے کاموں میں یا ایسی چیز میں جس میں کوئی مصلحت ہو اس میں دینی غرض ہونے دینی ہی۔ جیسے ایسی چیز خریدنا جو فی الحقیقت ایک درہم کی ہو، لیکن اپنی کٹریں سود درہم ادا کر دینا۔ اس کا فائدہ نہ ہو نہ یہ اچھے لباس کے کام آیا نہ اچھی خوراک کہ اچھی خوراک اور اچھے لباس کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے (جیسا کہ الاعراف کی آیت ۳۲ سے واضح ہے) لیکن یہ رویہ کیا ہے؟ اس کی توجیہ

کیا ہوگی ؟

اسی طرح کوئی شخص محض قرب سلطانی یا اس قسم کے مقاصد کے لیے پیسہ اٹائے  
وکتوالوا نفعہ فی القرب الخ لہے تو یہ بھی سفیہ ہے اور حجر کا مستحق (اس سوال سے  
شہر شہر کوٹھیاں، الیکشن پر لاکھوں کا صرف وغیرہ کو ذہن میں رکھیں اور پھر سوچیں کہ اس صرفہ کا مقصد  
سوائے حصول قرب چودھراہٹ اور کیا ہے ؟)

اس کے ساتھ ہی وہ آیت بھی سامنے لائیں جس میں ”تبذیر“ سے منع کیا گیا۔ اور پہلے  
گذر چکا ہے کہ اہل علم سفیہ سے ”مبذر“ مراد لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو آیات ہیں سورہ نبی اسرائیل  
کی۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اور (دیکھو ؟) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو (بے یا درود دگار) مسافر ہیں۔ ان سب کا تم پر حق ہے، ان کا حق ادا کرتے رہو اور مال و دولت کو بے محل  
خرچ نہ کرو، جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے۔ بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے  
بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے لہ  
مولانا آزاد کا نوٹ۔

مان باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں اور پھر ان سب کے ہیں جو ہماری  
جنر گیری کے محتاج ہوں، پس آیت ۲۶ میں اس کا حکم دیا اور فرمایا ”ولا تبذروا تبذیرا“  
تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے، پس بے محل مال و دولت خرچ نہ کرو۔ پھر  
فرمایا۔ جو لوگ تبذیر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے  
ہیں، مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑا دیں گے تو وہ شیطان کے بھائی  
بندوں میں سے ہیں کیونکہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انہوں نے بھی (مبذیرین  
نے) کفران نعمت کی راہ اختیار کی۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ آدمی

نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کر کے رکھے۔ دوسروں پر خرچ نہ کرنے  
قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے، پہلی صورت ”اكتناز“ کی ہے  
والذین یکنزون الذهب والفضة (۳۴:۹)

دوسری تنبذیر کی، یہاں اس سے روکا ہے ۵۳  
مولانا مفتی فرماتے ہیں۔

وہ مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات  
اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے، اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک و اغوا  
سے وقوع میں آتی ہے، اس سے انسان ناشکری کر کے شیطان کے مشاہیر ہو جاتا ہے جس طرح  
شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بخشنی ہوئی قوتوں کو ہیمان و اضلال میں خرچ کیا اس نے بھی حق تعالیٰ کی  
دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑا یا اگھ

سفیہ و مبذر کا معاملہ!

ایک شخص مرض الموت میں اپنی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کاٹنے سے زائد حصہ عطیہ یا صدقہ میں  
دینا چاہتا ہے تو اسے روکا جائے گا اور اسپرچر کے حوالہ سے پابندی لگائی جائے گی کہ یہ حضرت  
نبی کریم علیہ السلام کا واضح حکم ہے اور ایسا نہ کرنے سے وارثوں کا نقصان ہوتا ہے اس میں کسی  
قسم کے بھگڑے کا سوال نہیں، سبھی اس پر متفق ہیں، اسی طرح ایک صحیح العقل، سلیم الفطرت بیوی  
اپنے خاوند کے مال سے یا اپنے مال سے خرچ کرتی ہے تو اسے بھی شریعت اجازت دیتی ہے  
لیکن یہ اجازت بھی ٹٹنگ ہے اس سے زائد پر گرفت ہوگی۔

ایک بچہ ہے تو اس پر پابندی لگانا کہ وہ کم سنی کے سبب اپنا مال اڑانہ دے، بالکل  
صحیح اور مسلمہ معاملہ ہے، غلام کی بات ہے تو آج دنیا میں اس کا رواج ہی نہیں، یہ قصہ مدت  
ہوئی انجام کو پہنچ چکا ہے، ہمارے سامنے اصل سوال سفیہ و مبذر کا ہے سفیہ، اس معنی میں نہیں  
کہ وہ کم سن ہے یا جنون کا شکار ہے بلکہ سفیہ یعنی مبذر کا معاملہ ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اس سے  
اجتماعی طور پر فساد و بگاڑ اپنی انتہا تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کا ایمان معرض خطر

میں ہے، اس وجہ سے دنیا میں ایسے انقلاب رونما ہو چکے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایمان و اخلاق کا جنازہ نکل گیا ہے جب کوئی معاشی نظام ”قارونی ذوق“ کے مطابق استوار ہو گا اور ایک مخصوص طبقہ یہ سوچ کر کہ میرے حالات، میری علمی و عملی صلاحیت وغیرہ نے مجھے اس کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ میں ۲۰۲، ۴ سوم بجز زمین ۱۰، ۱۰ م مملات اور کوٹھیوں، تجارتی اداروں اور صنعتی پلانٹس کا مالک بن سکتا ہوں تو پھر قوموں کی اکثریتی آبادیاں دوسرے رخ سے سوچیں گی۔ اس سے پہلے کہ ایسی مشکل پیدا ہو ضروری ہے کہ حالات پر قابو پایا جائے۔

آج لوگ اخلاقی تعلیم سے یکسر غافل ہو کر کہتے ہیں کہ صاحب معاشیات سے اخلاق کا کیا تعلق؟ یہ تو اپنے زور کی بات ہے، آپ جتنا چاہیں سمیٹ لیں، لیکن یہ فلسفہ قابل قبول نہیں جمہوریہ ہند کے سابق صدر راجندر موہن ڈاکٹر ڈاکٹر حسین ایک معروف ماہر معاشیات تھے انہوں نے لکھا۔

کسی دیوار میں کبھی کوئی کیل بھی بلا اخلاقیات کے نہیں ٹھونکی گئی اور آپ کہتے ہیں کہ تم معاشیات سے اخلاقیات کو یکسر نکال دو ہشہ اور ایک دوسرے مفکر کے بقول۔

معاشی مشاغل کے دائرہ میں اسلام کا مقصد پورے سماج کی عام خوش حالی ہے۔ نہ صرف چند مستثنیٰ خواص کی جاگیر داری، جو بھی مختلف معاشی تعلیمات اسلام نے دی ہیں سب کی انتہائی مغرض و غایت معاشرہ کے مختلف طبقات و افراد میں کسی نمایاں فرق و امتیاز کو مٹانا ہے ۷

ایک ندوی مفکر ”اسلام کی اقتصادی روح کا تعین“ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ روح کیا ہے؟ اور اس کا تعین کیونکر ہو سہ جواب واضح ہے، مسائل و احکام کی اس ترتیب کی تہ میں فلسفہ یا روح یہ ہے کہ جہاں تک تقسیم دولت کا تعلق ہے، کسی بھی شخص کے ساتھ ظلم نہ روا رکھا جائے ہر شخص کو اس میں سے مناسب حصہ ملے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب دولت پھیلتی رہے، تقسیم ہوتی اور

اور مختلف افراد میں بٹی رہنے، بیع و نثار، وراثت اور صدقات اور زکوٰۃ کے مسائل دراصل اسی غرض کو پورا کرتے ہیں بہ حیثیت مجموعی اسلام کے مزاج پر غور کرو، اس کا اشکال یہ نہیں کہ دولت کیونکر جمع ہو یا کس طرح معاشرہ میں بڑے بڑے قارون اور سرمایہ دار پیدا کیے جائیں، اس کے برعکس اس کا اشکال یہ ہے کہ دولت کیونکر بکھرے کس طرح مستحق ہاتھوں تک پہنچے اور کیونکر آخسر میں غربت اور احتیاج کا خاتمہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اسلام جب صدقات، زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ ہمیشہ بلند و پست اور محتاج و غنی کے دو طبقوں میں منقسم رہے، ہمیشہ ایک بالاتر گروہ تو دولت و ثروت کی فراوانیوں سے بہرہ مند رہے اور ایک طبقہ یا انسانوں کی بہت بڑی اکثریت غربت، افلاس اور احتیاج کے ہاتھوں نالاں اور پریشان رہے۔

پھر انہوں نے واضح کیا کہ اصل روح گردش دولت ہے اس سلسلہ میں سورہ التوبہ کی آیت ۳۵، سورہ حشر کی آیت ۷، سورہ ذاریات کی آیت ۱۹، اور البقرہ کی آیت ۷۷ (آیت البقرہ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، جو بلاشبہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اسلام کی روح کا اصل اقتضای ہی ہے۔ وہ کسی طور اجازت نہیں دیتا کہ اس میں استحصال (کادور دورہ ہو۔ استحصال کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرہ میں لینے دینے کے دو پیمانے ہوں، حساب حیثیت و ثروت کا معاملہ آئے تو اپنی حیثیت کے بل بوتے پر اور انداز اختیار کرے لیکن اس کی تجوری سے نکلنے کی نوبت آئے تو وہ مزدور کے اس دقت کے پیسے بھی کاٹ لے جس میں اس نے نماز ادا کی قرآن عزیز نے سورہ مطفقین کی ابتداء میں ایسے ہی لوگوں کو خرابی کا مستحق گردانا اور فرمایا۔

ناپ، تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر اور تول کر دیں تو کم کر دیں۔

یعنی جب اپنے نفع کا سوال ہو تو بھاؤ اونچا ہو (بلکہ اہل اقتدار سے ملی بھگت کر کے کنٹرول ریٹ کا چکر چلا لے) اور جب دوسروں کو ان کی محنت کا ثمرہ دینا پڑے تو بھاؤ

م ہو جائے۔ گویا استحصالِ تطفیف کی ایک قسم ہے۔  
 اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ سفیر، مہنڈر اور مسرف اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور مجرموں پر  
 سزا، پابندی اور کنٹرول مشرعا و دیناً صحیح ہے اور جب کہ ایک بچے اور مجنون پر پابندی لگانی جا  
 سکتی ہے اور اس کا مال محفوظ رکھا جاسکتا ہے تاکہ کم سنی، ناجذبہ کاری اور جنون کی وجہ سے وہ  
 ضائع نہ کر دیں تو ایک ایسا شخصی جو اپنی شاہِ خرچی، اسراف و تبذیر اور سفاہت (دینی، اخلاقی  
 بلے راہ روی) کے سبب مال اڑاتا ہے۔ اس پر کیوں نہ پابندی لگائی جائے گی۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ معاملہ بچے اور مجنون کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے  
 اور اس پر حکومت اور سوسائٹی اور عدلیہ اور مقننہ سب کو غور کرنا چاہیے ائمہ کی اکثریت اس موقف  
 کی حامی ہے سوائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے۔ لیکن حضرت ابوحنیفہ جس وجہ سے  
 ایسے شخص پر حجر کی پابندی کی اجازت نہیں دیتے، وہ بالکل مختلف ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ شخص  
 بہت اچھا ہے لہذا جو کر رہا ہے کرتا ہے۔ بلکہ ان کے موقف کی ترجمانی یہ ہے۔

کہ وہ اور ان کے دونوں معروف اصحاب، امام ابو یوسف اور امام محمد اس پر تو متفق  
 ہیں کہ۔ بد اطوار (مہنڈر، سفیر) اور اس قسم کے شخص، کو محض بائع ہونے کی بنا پر مال نہ تھا دیا جائے  
 بلکہ ضروری ہے کہ تجربہ اور آزمائش سے اس کی اہلیت ثابت ہو تب مال اس کے سپرد  
 دینے کے حامی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اس نے اپنی اصلاح کی یا نہیں کی۔ لیکن امام ابو یوسف  
 اور امام محمد بغیر اصلاح اس کے حق میں نہیں وہ اسے مجبور ہی رکھنے کے موقف کے حامی ہیں۔  
 چہ جائیکہ عمر کتنی ہی ہو جائے، جب تک وہ اصلاح نہ کر لے۔

امام صاحب کے موقف کی توجیہ علامہ عبد الرحمان الجزیری نے یہ کی۔

کہ اگر ایک شخص اپنے مال کو ضائع کرتا ہے اور عمر کی بچی کے باوجود خیال نہیں کہتا تو اس  
 کی سزا ہی ہے کہ مال اس کے ہاتھ میں نکل کر دوسرے ہاتھ میں چلا جائے جو اسے اپنے مفاد میں  
 استعمال کرے۔ البتہ امام صاحب یہ ضرور فرماتے ہیں۔

اگر ایسا شخص پیشہ ور ہے اور اس کے پیشہ سے کسی کو نقصان ہوتا ہے تو اس پر اس پیشہ  
 کے سلسلہ میں پابندی لگادی جائے۔



جس کا معنی یہ ہے کہ امام صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ایسا فضول خرچ خالی ہاتھ ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے اور پیشہ ور ہونے کی صورت میں وہ کبھی پابندی موقوف کے حامی ہیں۔  
 رہ گئے ان کے اصحاب (امام ابو یوسف امام محمد) اور دوسرے ائمہ تو وہ سب بالاتفاق ایسے شخص پر حجر کے قائل ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے اور اسلام کے عہد زریں میں اسی کا اعتناء ہوا۔ چنانچہ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بغیر صلاحیت (مالی اور دینی امور کی انجام دہی کی استعداد و صلاحیت) مال اس کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ اس کا باپ، وارث، وصی یا حاکم کنٹرول کرے۔  
 شوافع کہتے ہیں کہ اس میں دینی صلاحیت اور مال برتنے کا شعور پیدا ہو تب مال اس کے سپرد کیا جائے۔ اور دینی صلاحیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں میں اس طرح ملوث نہ ہو کہ انہیں بار بار کرے اور مالی صلاحیت یہ ہے کہ فضول خرچی نفسانی اذیتا جائز خواہشات میں مال برباد نہ کرے۔

اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو جائے کہ وہ مال کی حفاظت کے قابل ہو گیا ہے تو پھر مال اس کے سپرد کیا جائے۔  
 گویا مال اڑانے والا عیاش، سرف اور فضول خرچ ایسا مجرم ہے کہ ائمہ کی پوری جماعت اس پر پابندی کے حق میں ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تو ”فاسق“ پر بھی حجر کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں۔  
 وقال الشافعی رحمة الله تعالى يبحر عليه  
 (على الفاسق) زجراله وعقوبه عليه۔

صاحب ہدایہ اس کو نقل کرتے ہوئے حضرات صاحبین (امام ابو یوسف امام محمد) کا بھی یہی قول نقل کرتے ہیں۔

ويجحد المقاتني عندهما ايضاً۔۔۔۔ بسبب العقلة لانه  
 يعني فاسق كود انط و انط و انط و انط اور سزا کے لیے مجبور کیا جائے گا اور غفلت کے سبب اسے پابند کر دیا جائے گا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ”فسق“ قید شریعت سے نکل جانے، حدود الہی سے تجاوز، بدکاری سے لے کر عام نافرمانی تک پر لاجاتا ہے ۱۷۲

اور جس تناظر میں یہاں گفتگو ہو رہی ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عام نافرمانی ہی مراد ہے۔ تو جب ایک عام نافرمان شخص پر پابندی کی بات کی جاتی ہے تو کھلے بندوں اسراف و تبذیر کا ارتکاب کرنے والوں اور مال و دولت کو عیاشیوں میں اڑانے والوں کا کیا حکم ہوگا؟

اور فاسق پر حج کی پابندی کا قول امام شافعی کے علاوہ امام مالک، امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے ۱۷۳  
امام ابن قدامہ رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

انه لا يذفع اليه ماله قبل دجور الاصرين : البلوغ والرشد ولو  
صار شيخا وهذا قول اكثر اهل العلم قال ابن منذر اكثر علماء الامصار  
من اهل الحجاز والعراق والشام ومصر يرون الحجر على كل مضيق  
لماله صغيرا كان او كبيرا وهذا قول القاسم بن محمد بن ابى بكر الصديق  
وبه قال مالك والشافعي وابو يوسف ومحمد ۱۷۴۔

یعنی دو باتوں سے قبل مال اس کے سپرد نہ کیا جائے گا ایک بلوغ دوسرے رشد (عقل و دانائی اور صلاحیت دینی)، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے ابن منذر فرماتے ہیں حجاز، عراق، شام اور مصر کے اکثر علماء اس شخص کے حق میں حجر کے قائل ہیں جو مال کو ضائع کرنے والا ہو قطع نظر اس کے کہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا (مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے اور امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ یہی فرماتے ہیں۔

اس سے متصل ابن قدامہ نے امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہم اللہ تعالیٰ کے بہت سے فتاویٰ نقل کیے ہیں جن میں ان سے اس قسم کے مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے حج کی کے جواز میں فتاویٰ مرحمت فرمائے۔

مغنی المحتاج کے متن میں ”رشد“ کا معنی ”صلاح الدین و المال“ کیا گیا ہے اور ”مبذر“ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ معاملات میں عین فاحش کرنا یا حرام کاموں میں خرچ کرنا یا ایسے ہی سٹے کی تجارت کرنا ۱۵

محمد جواز مغنیہ“ نے سفیہ اسے قرار دیا ہے جو مال و منال کو احسن طریق سے برتنے کا سلیقہ نہ رکھے اور مصروف (صحیح اور شرعی طریق) میں خرچ نہ کرے اس شخص پر حجر ہو گا حتیٰ کہ فقہار امامیہ (روافض و شیعہ) بھی اسی کے قائل ہیں اور حاکم پر لازم گردانتے ہیں کہ وہ حجر لگا دے ۱۶

علامہ ابوالبرکات نے ”سفه“ پر نفیس بحث کی ہے، اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

”سفه“ اسباب حجر میں سے ایک ہے جس کا مفہوم ہے ”تنبذیر“ یعنی ایسی جگہ مال خرچ کرنا، جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی مزید اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ جیسے مال کو شراب نوشی اور قمار بازی میں اڑانا (بڑے بڑے بار، فائیو سٹارز ہوٹل کے دھندے گھر ڈوڑا اور ایسی سب باتیں اس ضمن میں آتی ہیں) شطرنج کھیلنا، یہ چیزیں مطلق اور اجتماعی طور پر حرام ہیں یا معاملات میں عین فاحش، یا کسی دینی، اخروی اور دنیوی ضروری مصلحت کے بغیر خرچ کرنا کہ اس سے انسان کا جھوٹا وقار بنے (اس کے خیال میں) جائز طریقوں کے علاوہ مشہوات نفسانیہ میں خرچ۔ اس میں غور، دونش، ملبوسات، سواری وغیرہ کا اسراف بھی شامل ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی کھانے، کئی کئی موٹو گاڑیاں ان گنت جوڑے وغیرہ، وغیرہ کا اسراف بھی شامل ہے یا ایسے ہی دولت کا بے محل مصرف جیسے کسی دریا میں، سمندر میں کھانا وغیرہ بہا دینا۔

جیسا کہ سفہ (بالخصوص) نود و لعتیوں کی عادتیں ہیں کہ اپنے مجرم ضمیر کی تسکین کے لیے ایسی حرکات کرتے ہیں، کی عادت ہے۔ الغرض یہ سب چیزیں سفاہت و تبذیر میں شامل ہیں اور ایسے شخص پر حجر لازم

ہے، علیہ

جن حضرات نے ”رشد“ سے محض ”صلاح مال“ مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ جس شخص میں مالی طور پر صلاحیت پیدا ہو جائے وہ راشد اور رشید ہے، لہذا مال اس کے سپرد کر دینے میں خرچ نہیں — ان کا موقف بڑا کمزور ہے کیونکہ رشد کا تعلق صرف صلاحیت مال سے ہی نہیں، دین سے بھی ہے، بلکہ دین اہم اور مقدم ہے — ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اگر محض رشد سے کسب و صرف مال میں دانائی مراد تو تو یہود و نصاریٰ تو بڑے عقل مند (راشدا) قرار پائیں گے — حالانکہ ایسا نہیں بلکہ رشد کا تعلق دین کے ساتھ ہے —  
 انہوں نے اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کی قد تبیین الرشید من التقیٰ اللہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ”رشد“ (بھلائی، سمجھ بوجھ، نیکی، راستی) کو ”النجی دگر اسی اولیٰات“ کے مقابلہ میں بیان کیا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ ”رشد“ کا تعلق محض صلاحیت مال سے نہیں صلاحیت دین سے بھی ہے بلکہ پہلے دین پھر مال ۱۹۵

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحجر علی البالغین بالسفہ“ باب القول پر حجر لگانا ان کی سفاہت کے سبب کے عنوان سے باب قائم کیا ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض فیصلے درج ہیں — حضرات ائمہ کبار ان روایات سے استناد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک آزاد بالغ کو بھی ضرورت کے تحت مجبور کیا جاسکتا ہے اور اس پر تصرف مالی کے سلسلہ میں پابندی لگائی جاسکتی ہے جیسا کہ اسی طرح امام بیہقی نے ایک باب قائم کیا جس کا عنوان ہے —

النہی عن اصناعۃ المال فی غیر حقہ —

یعنی غیر حق میں مال کو ضائع کرنا۔

اس باب میں انہوں نے چار روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے راوی حضرت میغرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نامور صحابی رسول ہیں اس روایت کے آخر میں ہے  
 وکسرہ لکھ ثلاثا..... اصناعۃ المال “ کہ حضور اقدس علیہ السلام نے تین

چیزوں کو تمہارے حق میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا جن میں سے ایک مال کا ضائع کرنا ہے۔  
یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عثمان ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ  
تعالیٰ نے اسحاق بن ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی۔

دوسری روایت ایک خط پر مشتمل ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلمیوں  
کے خلیفہ راشد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام لکھا اس میں حضور اکرم صلی  
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالہ سے جہاں اور باتوں سے روکا وہاں "اضاعت مال" سے بھی روکا۔  
مقصود یہ تھا کہ یہ حکومتی پالیسی ہو اور اس پر پوری مملکت میں عمل ہو۔

تیسری روایت یہ ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن جبیر رحمہما اللہ  
تعالیٰ سے "اضاعت مال" کی حقیقت معلوم کی تو سعید نے فرمایا:

هو الرجل يرزقه الله الرزق فيجعله في حرام حرمه عليه۔

کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے رزق دیا وہ اسے حرام کاموں میں خرچ کر لے ہے تو یہی اضاعت مال ہے۔  
یہ روایت بخاری کے علاوہ مسلم میں بھی ابن ابی عمر عن مروان بن معاویہ سے منقول ہے۔

اور چوتھی روایت مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ:  
النفقة في غير حق هو التبذير۔

کہ غیر حق جگہ میں خرچ کرنا ہی تبذیر ہے اللہ

یہ سہتی کے معنی نے ابن حزم کے حوالہ سے "رشد" پر جو گفتگو کی اس کا مختصر ذکر تو  
ہوا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ براہ راست عملی سے اس بحث کا بغیر خلاصہ پیش کر دیں، ابن  
حزم کہتے ہیں۔

"رشد کی شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مال، مالک کے سپرد کر دینے کا حکم دیا ہے۔  
تو سوال یہ ہے کہ رشد ہے کیا؟ فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ اصل رشد دین ہے۔ کسب  
مال کی معرفت کا نام رشد نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک تو وہی آیت دلیل ہے جو البقرہ  
کی ہے (۲۵۶) جس میں رشد یعنی رشد کے مقابلہ میں آیا ہے دوسرے سورہ ہجرات کی آیت  
ہے جس میں صحابہ کرام کو "راشدون" کہا گیا۔ تیسرے سورہ ہود کی آیت ۹۷  
ہے جس میں ہے "وما امر فرعون بشیبا (کہ فرعون کا دینی معاملہ درست نہ تھا) یہ

تمام آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ رشد کا تعلق دینداری، تقویٰ اور خیر و صلاح سے ہے۔ دوسرے عقلی طور پر دیکھیں تو بالعموم اہل کفر کا معاملہ دینوی مال و دولت اور کسب و تجارت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے بخلاف مسلمانوں کے اور خاص طور پر انبیاء علیہم السلام کے کہ وہاں بالعموم غربت نظر آتی ہے۔ موسیٰ و ہارون اور فرعون و قارون کا معاملہ دیکھیں۔ پھر موسیٰ و خضر کا معاملہ دیکھیں کہ وہ بھوک کے سبب انطوکیہ کے کافروں سے مہمانی کی بات کرتے ہیں۔ حضور کے دور سعادت میں مقنطر (مال جوڑنے والے اور خزانہ کرنے والے) ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے کافر ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام کا تائیر نخل کے سلسلہ میں مشہور ارشاد ہے کہ ”انتم اعلیٰ بامورد دنیاکم“ یہ ساری باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ”رشد“ کا تعلق کسب مال وغیرہ سے نہیں بلکہ ”رشد“ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے اور ایسے انداز سے کسب مال کا نام ہے کہ نہ دین کا نقصان ہو نہ عزت برباد ہو (وقار قائم رہے) اور مال ایسی جگہ خرچ کریں جہاں خرچ کرنا لازم ہے اور جس کے ذریعہ سے جہنم سے نجات حاصل ہو۔ ساتھ ہی اپنا اور اپنے اہل و عیال کا قناعت اور توسط کے ساتھ گذر بسر ہو۔ پس یہی رشد ہے۔ فہذا ہوا لرشدکم

پھر امام ابن حزم تبذیر، اسراف، و بسط الین کل البسط ہاتھ کھلا چھوڑ دینا، کہ ضمن میں لکھتے ہیں۔

کہ تینوں اعمال حرام ہیں اور حقیقت میں ان کا ایک ہی معنی ہے۔ اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ”غیر حق میں خرچ کرنا“ امام زہری سے منقول ہے، جہاں شرعی ضرورت ہو خرچ کرنا اور غیر شرعی مقام پر خرچ سے احتراز کرنا اور کہنا، یہ عمل باطل وہاں ہے۔ اسکا کرنے والا مردود ہے۔ شراب نوشی فاسقانہ کاموں کی اجرت، قمار بازی اس میں شامل ہیں (گھڑ دوڑ، لاٹری بانڈ وغیرہ) اور حضور علیہ السلام نے فرمایا، ”اصناعت مال یہ ہے کہ مال راستہ میں گویا

بکھیر دیا جائے اور حرام مقامات پر خرچ کیا جائے۔ امام مالک کہتے ہیں "معاصی میں خرچ کرنا لکھ

آج کے دور میں اسراف و تبذیر کے جو مظاہرہ ہیں۔ ان کے لیے یہ تفصیلات بہت کافی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مالی تصرف کا اسے ہی حق ہے جو بنیادی طور پر دیندار اور صاحب تقویٰ ہے اور جو خرچ میں اللہ تنالے کے احکام کا لحاظ رکھتا ہے۔

اشعرائی۔ روایات صحیحہ نقل کرتے ہیں، جو ہمارے مدعا کو بالکل ثابت کرتی ہیں۔ ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

وكان عثمان و علي رضي الله تعالى عنها يحجران على المبتدئ في ماله ويمنعانه من التصرف حتى ينصلح حاله لئلا

دونوں خلیفہ راشد حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ مہذب پر پابندی لگاتے تھے اور تصرف مال سے روک دیتے تھے جب تک وہ اپنے حال کی اصلاح نہ کر لے۔

بے مقصد تعمیرات کا سلسلہ آج کل بہت عام ہے، ایک ایک شخص کی کئی کئی کوٹھیاں ملک کے مختلف شہروں میں عام شہریوں کا منہ چڑاتی ہیں حتیٰ کہ اسلامیان پاکستان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے یورپ اور مشرق کے ممالک میں تھریس خرید رکھے ہیں، محلات اور کوٹھیاں بنا رکھی ہیں اور اس طرح بے ہنگم دولت اینٹ گارے کی نظر ہو رہی ہے جب کہ لاکھوں کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جنہیں سر چھپانے کو کچی جھونپڑی میسر نہیں۔ یہ معاملہ بڑا سنگین ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اپنی تعمیرات کی بنیادوں میں ایک تھام پتھر بھی نہ لگاؤ کیونکہ اس کے سبب وہ ساری عمارت خرابی کا شکار ہو جاتی ہے اور جہاں پوری عمارت حرام مال سے بنی ہو۔ وہاں کیا ہوگا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کر رہے زمیندار، جاگیردار، اہل صنعت اور بیوروکریٹس بنگلے کراچی سے اسلام آباد تک پھیلے ہوئے ہیں۔

لاہور میں بعض بنگلے اور کوٹھیاں تو ہمارے ذاتی علم میں ہیں جو ۱۰، ۲۰، ۲۰ کنال سے لیکر اس سے زیادہ رقبہ پر پچی پھلی ہوئی ہیں۔ کراچی لاہور، اسلام آباد کی جدید آبادیوں پر ملک کے چند خاندانوں کی اجارہ داری ہے اور وہ لوٹ کھسوٹ کی دولت سے یہ حرکات کر کے معاشرے میں فساد پھیلا دینا موجب بن رہے ہیں جبکہ نبوی نقلیہ ہے

”کہ آپ نے ایک شخص کا قبہ نما مکان دیکھا تو ناگواری کا اظہار فرمایا اور پھر اس شخص کے سلام پر جواب دینے کے بجائے اعراض فرمایا، اسے اجاب سے صورت حال کا علم ہوا تو اس نے اس کو ہموار کر دیا بعد میں آپ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

أمان کل بناء ویال علی صاحبہ یوم القیامۃ الا ما لا بد منه۔

یعنی یاد رکھو ہر عمارت اس کے مالک کے لیے قیامت کے دن وبال ہوگی، ہاں اتنی عمارت معاف ہے جو ناگزیر ہو۔۔۔۔۔ ناگزیر کی تعریف علمائے اس طرح کی کہ

هو ما یقیہ من الحور والبود والسباع و نحو ذالک۔

اتنی عمارت جو موسمی تغیرات اور درندوں وغیرہ سے تحفظ کا سامان فراہم کرے ۱۰۰

گویا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبہ نما مکان پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اس پر بھی ناگواری کا اظہار فرماتے ہیں لیکن یہاں باہر روم میں جب تک امپورٹڈ سامان نہ ہو اور کناؤں میں پھیلا ہوا یا غیچہ نہ ہو اور درآمدی پتھر نہ ہو سیٹھا در صاحب کی شان نہیں ہوتی (نیا للعجب) صاحب کشف الغم مزید لکھتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ خارجہ بن حذافہ نے مصر میں بالا خانہ

بنایا ہے جس سے اڑوس پڑوس والوں کو تکلیف ہوتی ہے (ان کی دھوپ متاثر ہوتی ہے روشنی متاثر ہوتی ہے اور بسا اوقات بے پردگی کا بھی احتمال تھا

ہے) تو آپ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو لکھا۔

فاذا انک کتابی هذا فاهد مها ان شاء اللہ۔ والسلام

بس میرا خط پہنچے تو اس بالا خانہ کو مندم کر دیں۔۔۔۔۔ اسی سے متصل ہے۔

وكان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکرہ ان یکون شخص بیلد ولہ دار بیلد

اخر ویقول فلید عہا للمسلمین ینتفعون بہا ۱۰۰

کہ حضرت عمر اس بات کو سخت ناپسند کرتے کہ ایک شخص کی رہائش تو ایک شہر میں

میں ہو اور اس نے مکان دوسرے شہر میں بھی بنا رکھا ہو۔۔۔۔۔ آپ حکم دیتے کہ



اس کی ملکیت سے وہ دست بردار ہو کر مسلمانوں کے لیے چھوڑ دے تاکہ وہ اس سے استفادہ کریں۔ اس کے بعد صاحب کشف النور "حضور اقدس کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو شرمیں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو وہ مٹی اور اینٹوں میں الحجہ کے عمارت میں لگ جاتا ہے۔

۲۔ کسی بندے کی ذلت و رسوائی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنا مال تعمیرات کی نذر کرنا شروع کر دیتا ہے۔

۳۔ کفایت سے زائد جس نے عمارت بنائی قیامت کے دن اسے اس کو اٹھانے پر مکلف کیا جائے گا۔

۴۔ حضرت عباس نے بالا خانہ بنایا تو حضور علیہ السلام نے اسے منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ اور فرمایا مسلمان جو خرچ کرتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کو خلیفہ بناتا ہے اس کی پناہ میں دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ضامن ہو جاتے ہیں بشرطیکہ تعمیر نہ ہو یا معصیت میں خرچ نہ کیا ہو۔

اس کے بعد کچھ آثار ہیں جن کا مفہوم یہ ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ سوائے مسجد کسی عمارت پر اجر نہیں ملتا۔ پوچھا گیا ضرورت کے لیے جو مکان بنایا جائے اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا ضرورت کی حد تک تو مباح ہے لیکن اس پر اجر بھی نہیں اور گناہ بھی نہیں۔

۲۔ عطیہ بن قیسؓ کے بقول ازواجِ مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں کے تھے، حضور علیہ السلام کسی غزوہ میں گئے تو حضرت ام سلمہؓ کچھ اینٹوں کا اہتمام کر کے حجرہ بنا لیا واپسی پر حضور اقدس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو عرض کیا کہ پر وہ کی غرض سے میں نے یہ کہا اس پر آپ نے فرمایا:

ان شر ما ذهب فيه مال المرء المسلم البنیان وہ بری چیز جس میں انسان کا مال کھپتا ہے وہ تعمیر و عمارت ہے (مقصد یہ تھا کہ جو شکل پہلے تھی ستر کا معاملہ

اس سے بھی پورا ہو رہا تھا)

۳۔ حضرت حسن کے بقول جب حضور علیہ السلام نے مسجد بنائی تو فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی عیش جیسی عیش بنانا — صحابہ نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا وہ ایسی چھت تھی کہ آدمی ہاتھ بلند کرتا تو چھت تک پہنچ جاتا۔

۴۔ عمرو بن دینار کے بقول حضور اکرم علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی بڑی چادر دیواریاں نہ تھیں بس ستر و پردہ کی ضرورت کی حد تک چھوٹی چھوٹی دیواریں ہوتیں — بعد میں حضرت عمر نے حالات کے تحت اس سے کچھ زائد کی اجازت دے دی

۵۔ عمار بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص سات ہاتھ سے بلند عمارت بناتا تو لوگ اسے "افسق الفاسقین" (فاسقوں میں سب سے زیادہ فاسق) کہتے اور پوچھتے کہ اس کو کہاں تک لے جاؤ گے۔

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بقول حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوڑی منزل پر رہائش تھی اور وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کوئی سائل کچھ مانگتا تو اوپر سے ہی اس کو کھانا وغیرہ پکڑا دیتے (بھینکے بغیر ہاتھ میں دے دیتے) — گویا اتنی پست چھتیں تھیں کہ یہ تو ایک تعمیرات کے معاملہ میں احادیث و آثار ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کس حد تک سادگی، قناعت اور حدود کے دائرہ میں رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے برعکس وہ اسراف و تبذیر کا کتنا بڑا دشمن اور اس کو کس طرح مٹانا چاہتا ہے — اس کے ساتھ ہی ذرا انسانی زینت اور تعمیرات وغیرہ میں زیبائش و آرائش پر ایک نظر ڈالیں کہ اسلام کا موقف کیا ہے اور اب اس کے ماننے والے کیا کر رہے ہیں؟

سورۃ النسا کی آیت ۱۱۹ میں شیطان کا ایک قول ہے۔

و لا مردنہم فلیغیرن خلق اللہ۔

یعنی میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کریں گے۔  
"تغییر خلق اللہ" کا ایک مفہوم تو داڑھی منڈوانا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین

نے نقل کیا اور اگر اس بات کو سنجیدگی سے دیکھا جائے تو صرف ایک مذہبی میں اسراف کے جو مظاہر سامنے آتے ہیں — انہی کا ٹھکانہ نہیں — حجام کی دکان کی ٹیپو سے لیکر ذاتی طور پر شیپو کرنے میں مجموعی طور پر سوچیں کہ قوم کا کتنا اجتماعی سرمایہ اس کی نذر ہو جاتا ہے؟

اس کا ایک منظر جسم کو گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن اور پلاسٹک سرجری ہے — حضور اقدس ایسے لوگوں پر لعنت فرماتے ہیں۔

لَعْنَتُ فَرْمَائِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَے رسول نے گودنے والی پر گودنے والی پر، دانتوں

کو نوکدار بنانے والی پر اور اُس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوائے، لگے

یہ بھی اہل ثروت کے چوپنچلے اور ان کے مشاغل ہیں، ان کاموں کے لیے بیش قیمت اڈے بنتے ہیں جن کی فیس بے حد زیادہ ہوتی ہے — یہ معاملہ اس حد تک بڑھتا ہے کہ شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے — چنانچہ عیسائی ہاتھ اور سینہ پر صلیب کا نشان گدوائے ہیں بہت سے اہل مذاہب اپنے دیوی دیوتاؤں کی تصویریں بنواتے ہیں اور مذہبی شعائر کا مظہر اس سے ہونے لگتا ہے۔

دانتوں کے نوکدار بنانے کے ساتھ ساتھ دانتوں کے درمیان درزیں بنانا بھی موجب

لعنت ہے جیسا کہ اسی سے متصل مسلم میں روایت ہے اور اسے امام بخاری نے بھی نقل کیا — یہ فیشن میں غلو ہے جس کے اسلام سخت انکاری ہے — اسی فیشن پرستی میں بھنویں باریک کرانا اور بال جوڑنا بھی ہے چنانچہ امام ابو داؤد نے اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی جس سے بال نوج کر یا جدید انداز کی مشینری سے کاٹ کر بھنویں باریک کرنے پر لعنت آئی ہے اور حضرت امام بخاری نے حضرت عائشہ، حضرت اسماء، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم متحد صحابہ سے بال جوڑنے پر حضور علیہ السلام سے لعنت نقل کی — اس کو دیکھیں اور پھر اپنے بازوؤں دکانوں وغیرہ میں چوٹیوں کا تھوک کا کاروبار دیکھیں — حضور علیہ السلام نے اس کو جعل سازی سے تعبیر فرمایا یہ بھی تغیر خلق اللہ کی ایک شکل ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری بار مدینہ کا سفر کیا تو بالوں کا گچھا چوٹی نکال کر فرمایا یہ یہودیوں کا فیشن ہے نبی کریم علیہ السلام نے اسے جھوٹ، فریب اور جعل سازی کا کاروبار بتایا ہے۔

اور مزید فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں اسی قسم کے فیشن سے تباہ ہوئیں۔ امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا کہ ان چیزوں پر سخت وعیدیں اس لیے ہیں کہ ان میں تغیر خلق اللہ کا پہلو بھی ہے اور زور، دھوکہ اور فریب کا بھی حصہ اپنے جسم کی جائز زیب و زینت میں جس طرح حرج نہیں اسی طرح لباس و خیرہ میں ضرورت کی حد تک تزئین کی بھی اجازت ہے لیکن جب معاملہ اسراف و تبذیر کی حدود میں آجائے کہ بیک وقت کئی کئی جوڑے اور سوٹ، سوٹ کیسوں اور الماریوں کی زینت ہوں تو اسلام جیسا سادگی پسند دین کبھی پسند نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اسی طرح وہ لباس میں فخر و غرور کا سخت دشمن ہے۔

چنانچہ مردوں کے لیے سونا اور ریشم کی حرمت اور عورتوں کے لیے اجازت لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے حق نہ ادا کرنے پر شدید وعیدیں (بالعموم) خواتین زیورات کی زکوٰۃ نہیں دیتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو ہمارے استعمال کا ہے۔۔۔۔۔ تجارتی تھوڑا ہے؟ حالانکہ سونا چاندی کسی حال میں ہو، اس میں زکوٰۃ لازم ہے) اپنی جگہ حقیقت ہیں۔ عورت کے سلسلہ میں اس ارشاد کو سامنے رکھیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:

دو گروہ بکثرت جنہم میں میں نے دیکھے ظالم حکمران جو لوگوں پر ہر وقت کوڑے برسائیں ایسی عورتیں جو کپڑے پہن کر گھنی برہنہ ہوں۔ مردوں کی طرف مائل ہوں۔ ان کے سراونٹ کے پھکتے ہوئے کو ہان کی طرح ہوں۔ (چوٹیاں وغیرہ رکھ کر)

پھر بیا س ہی کے حوالے سے اس قول باری تعالیٰ کو سامنے رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو اترانے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔ (المائدہ: ۲۳)

اور حضور اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے:  
 جو اپنے کپڑے تکبر سے گھیسٹتے ہوئے چلیں گے (یا غرور و تکبر کا کوئی اور انداز  
 اختیار کریں گے) تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔  
 نیز فرمایا:

شہرت کا لباس پہننے والا قیامت کے دن ذلت کے لباس میں ملبوس کیا جائے۔

گاہ

لباس کے بعد مکان انسان کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ”جائے سکون“  
 بتلایا (انجیل: ۸۰) اور حضور علیہ السلام نے نیک بیوی، پرسکون کھلا مکان، اچھا پڑوسی اور  
 ضرورت کی اچھی سواری کو باعث سعادت بتلایا۔ گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کی  
 تلقین کی۔ ارشاد ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ تطیف ہے، نظافت کو پسند  
 کرتا ہے۔ کریم ہے اسے کرم پسند ہے، فیاض ہے، فیاضی پسند کرتا ہے  
 اپنے گھر کے صحن صاف رکھا کرو، یہود کی مشابہت نہ کرو۔

لیکن طول طویل رقبوں میں مکانات، بالخصوص جبکہ معاشرہ کی اکثریت افلاس  
 تنگ دستی کا شکار ہو اور اسے کبھی بھونپڑی میسر نہ ہو، اس کی بالکل اجازت نہیں۔  
 تفصیل پہلے گذر چکی۔ ساتھ ہی بیش قیمت برتن، جن میں بڑھتے بڑھتے معاملہ  
 سونے چاندی کے برتنوں تک پہنچ جاتا ہے اور انواع و اقسام کی کراکری سے گھر بھرا ہوتا ہے  
 اس کا کیا جواز ہے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بقول حضور علیہ السلام نے

فرمایا:

”سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے والا بیٹھنے میں جہنم کی آگ بھرا ہوا ہے۔“  
 حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بقول حضور علیہ السلام نے سونے چاندی کے برتنوں

حریر و دوسیا کے لباس اور ان کے فرش و گاؤں کیے سے منع فرمایا — فرمایا یہ اس دنیا میں  
میں کافروں کے لیے ہیں ہمارے لیے آخرت میں ہوں گے۔

ابن قدام رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی علت مردوں عورتوں دونوں کے لیے اسراف، تکبر اور  
غریبوں کی دل شکنی قرار دیتے ہیں۔

پھر گھروں میں تصاویر، مجسمے اور ایسی چیزیں سجائی جاتی ہیں حالانکہ جس گھر میں مجسمے ہوں  
وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے — اس سے عقیدہ توحید پر حرف آتا ہے  
— اسی سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے — اس میں اسراف و تبذیر ہے ۷۵

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

”تمدن کے فساد کا اصل سبب امر اور کی نفس پرستیاں ہیں، وہ زندگی  
کی سادہ اور حقیقی ضروریات سے گذر کر دنیا کی رنگ رلیوں کا شکار ہو جاتے ہیں  
اور اس کے شیدائی بن جاتے ہیں — پھر عام لوگ بھی ان کی دکھا دیکھی  
ایسے ہی معاملات کا شکار ہو جاتے ہیں — جب وسائل رزق اس میں ان  
کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ چوری، ڈاکہ، حرام کاری اور نہ معلوم کیا کیا طریقے ایجاد  
کر لیتے ہیں — ظہور اسلام کے وقت جمعی معاشرہ پر یہی مرض مسلط تھا  
— اسلام نے ظہور مفساد کے تمام طریقوں کا قلع قمع کیا جس میں جاگیر داری  
سٹم۔ بیع و شرا، کے ناجائز اور غلط طریقے، ربا وغیرہ سب شامل ہیں —  
اور ساتھ ہی ساتھ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات کی طرف توجہ دلا کر اسراف  
سے منع کیا ۷۶

”حجر پر ہم نے گفتگو کی اور اس میں خاص طور پر سفیہ اور مبذر کا معاملہ کافی تفصیل سے

بیان کیا — اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ایک مخصوص طبقہ جو وسائل  
رزق پر قابض ہو کر ساری دولت کو سمیٹ کر بیٹھ گیا ہے اور پھر وہ جس طرح اس دولت  
کو اٹلے تٹلوں میں اڑا رہا ہے، اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کنٹرول کیا جائے، حجاز

کے مسئلہ اصول فقہی کی بناء پر انہیں پابند کیا جائے اور ان کے سبب جو مفساد پھیل رہے ہیں ان کا سدباب کیا جائے ورنہ اس دھرتی پر کسی ایسے انقلاب کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا جو عقیدہ اور دھرم تک کو ہیا کر لے جائے۔

اس میں مطلق شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر دیہی جاگیر دارانہ معاشرہ ہے۔ یہاں کی زمین کا بہت غالب حصہ غیر ملکی حکمرانوں کی خدمت اور قوم فروشی کے صلے میں ان جاگیرداروں کو کھلیے بجائے خود بہت بڑا جرم ہے، زندہ اور بیدار قوموں کا وسیعہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حصول آزادی کے بعد آزادی کے متوالوں کی سرپرستی کرتی اور آزادی کے دشمنوں کا قلع قمع کرتی ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی طبقہ ہماری ہر چیز پر مسلط ہو گیا۔ آج سیاست ان کی ہے، عدالت پر ان کا قبضہ ہے، اجتماعی ادارے ان کے تصرف میں ہیں، ملک کے ہنگامے تعلیمی اداروں پر ان کا تسلط ہے اور ہمیں سے ملک کو آئندہ کے لیے حکمران، سیاست دان، مفتن اور مفسر آتے ہیں۔ یہ صورت حال بڑی سنگین ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایسے بھی جاگیر داری ستم کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ان کا ذوق یہ ہے کہ جس کے پاس زائد از ضرورت زمین ہے وہ اسے اس بجائی کے سپرد کر دے جس کے پاس زمین نہیں۔ حضرت الامام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز، جن کی نسبت سے یہاں کی غالب اکثریت حنفی کہلاتی ہے اور جن کی فقہ کے حوالہ سے یہاں کے علماء چند فروعی مسائل پر گھتم گتھا ہوتے ہیں۔ وہ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں ہی اس بٹائی اور مزارعت کے انداز کو پسند نہیں کرتے قومی، ملی اور ملکی مصالحوں کا لازمی تقاضہ یہی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے۔ اس ملک کی زمینوں کا مسئلہ بجائے خود محل نظر ہے پھر مزارعت و جاگیر داری کا یہ حال ہے کہ وہ ان گنت مفساد کا باعث بن رہے ہیں تو اس پر نظر ثانی کیوں نہ کی جائے؟

پھر تجارت و صنعت کے حوالہ سے چند خاندانوں کی اجارہ داری جو رنگ لائے گی، اس کا شاید ہمیں اندازہ نہیں یا ہم روایتی طور پر کبوتر کی طرح آنکھ بند کر کے بلی کے خطرہ کو نظر انداز کرنے کی فکر میں ہیں۔

کتنا ستم ہے کہ ایک طرف انسانی معاشرہ کی بھرپور اکثریت ہے، بسے زندگی کی بنیادی

سہولتیں تک میسر نہیں دوسری طرف ایسے لوگ ہیں جن کے زرعی رقبے، صنعت، تجارت، پلازوں، مکانات وغیرہ کے حساب کتاب کے لیے کئی کئی اکاؤنٹس دیکارہوتے ہیں۔ طویل رقبوں پر پھیلی ہوئی محل نما کوٹھیوں میں تعیشتات کا ہر سامان، کئی کئی اسے اسی، دی سی آبرا، قالین، ڈزرسٹ، کلرڈٹی۔ دی۔ ایک عذاب ہے جس کی حد نہیں۔ ہمیں چند سال قبل کا وہ قصہ نہیں بھولنا کہ ہمارے ملک کے ایک بڑے جاگیر دار جو خیر سے ایک خانقاہ کے سجادہ نشین بھی تھے نے یورپ سے مبلغ ساٹھ ہزار کتا منگوایا۔ وطن کی گرم زمین سے کتا متاثر ہوا تو ایک ملازم سمیت اس کتے کو مری بھیج دیا۔ کتے پر زیادہ خرچ ہوتا، ملازم پر کم۔ قضا الہی سے کتا مر گیا تو اس ظالم پر۔ جاگیر دار نے اس ملازم کا مختصر سا جھوٹا گھریلو سامان اور دودھ دیتے والی بھینس ضبط کر لی۔ گویا سارا قصور اسی کا تھا۔ یہ تو اتفاق ہوا کہ قصہ اخبار میں آگیا اور مثالی طور پر شریف النفس انتظامیہ نے اس کی دادرسی کی۔ ورنہ اس قسم کے واقعات تو ہمارے یہاں روز ہوتے ہیں۔ عزیز مزارعین کی بچیوں کا جو حشر پچھلے چند سال میں چند واقعات کے حوالہ سے آیا اور شہر کے نو دو تینوں نے جس طرح سینما، وی، سی آر اور اس سے بڑھ کر ہیرا منڈیاں آباؤ کین ہمارے اسلام و اخلاق کا منہ چڑاتی ہیں۔ ان کا کون سا بلب کرنے کا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول تمدن و معاش کا یہ فساد امراء کی نفس پرستیوں کے سبب ہے۔ امراء کے بال و پر "حجر" کے مسد فقہی اصول سے کاٹنے لازم ہیں تاکہ معاشرہ میں سکون ہو سکے۔ ہم ماضی کی داستانیں دہرانے کے عادی ہو گئے لیکن سوال یہ ہے کہ ان باتوں پر کبھی ہمارا عمل بھی ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت سنبالی تو محافظ دستہ ختم کر دیا، انواع و اقسام کی سواریاں ختم کر دیں، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے زیورات تک بیت المال میں جمع کرادیئے اور تعیشتات کے جو سامان نظر آئے وہ فروخت کر کے قیمت، بیت المال میں جمع کرادی لاکھ سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کل سالانہ خرچ چھ ہزار درہم تھا۔ اور یہ بھی صحابہ علیہم الرضوان نے بڑے اصرار کے بعد ان کے لیے منظور کیا اھہ



اپنے ورثا سے فرما کر سیدنا ابو بکر صدیق اکبر نے اپنی وفات کے بعد یہ مختصر رقم بھی بیت المال کو واپس کرادی جس پر حضرت عمر فاروق اعظم نے فرمایا — ابو بکر نے بعد میں آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا اے جب ان کے دور خلافت کے کل وظیفہ کا حساب لگایا گیا تو آٹھ ہزار درہم نکلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ سالانہ پانچ ہزار درہم۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اتنا ہی تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ نہیں لیتے تھے ان کا موقف تھا کہ سربراہ مملکت کا معاملہ یتیم کے والی کا سا ہے — وہ ضرورت کے تحت لے سکتا ہے ورنہ نہیں (سورۃ نساء کو ع) چونکہ میں صاحب ثروت ہوں اس لیے مجھے ضرورت نہیں ہے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مزاج شناس نبوت اور خلیفہ راشد نے تقسیم مال میں ”علی السویہ“ مساوات کا اہتمام کیا جس پر بعض لوگوں نے کہا — اسے خلیفہ رسول -

”آپ نے مال برابر تقسیم کر دیا حالانکہ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جن کو دوسروں پر تقدم اور تفوق حاصل ہے اگر آپ ان کے سبقت الی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا — آپ نے جواب میں فرمایا! تم نے جن فضائل و سوابق کا ذکر کیا ہے، ان کو مجھ سے زیادہ ادراکون جانتا ہے (آپ تو اس معاملہ میں بڑے آگے تھے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ نے اپنی ساری دولت خرچ کی، تمام غزوات میں شریک رہے، حضور علیہ السلام کے دست و بازو بنے) لیکن یہ چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یہ بہر حال معاش کا معاملہ ہے اس میں برابری کا معاملہ کرنا، ترجیح دینے سے بہتر ہے

یہ اس شخص کی پالیسی ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ اعتماد حاصل تھا — لیکن اب دیکھیں تو شرم آتی ہے کہ ایک ایک اہلکار، وزیر، اور دوسرے شخص پر اس حد تک اخراجات ہوتے ہیں کہ الامان — سرکاری دائرے میں طول طویل بننے لگے، کئی کئی ملازم، گاڑیاں فون کے اخراجات — ان کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں

امارت و عزت کا فرق بری طرح بڑھ رہا ہے، خطرات پیدا ہو رہے ہیں اور سبک بڑھ کر ان بے ہنگم اخراجات کے نتیجے میں غیر ملکی قرضے ہمارے گلے کا ہار بن کر ایک بار پھر ہماری آزادی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں کیونکہ انسانی تاریخ یہی ہے کہ معاشی بے راہ روی، عدم انصاف و مساوات نے سیاسی آزادیوں کو غارت کیا اور ہم غلامی کا شکار ہو گئے۔ اللہ نہ کرے پھر ایسی کوئی شکل پیدا ہو لیکن بہر حال یہ خطرات تب ہی ٹلیں گے جب صورت حال کی اصلاح کی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارضیات کو سرکاری دائرے میں محفوظ رکھا اور اسے فوجیوں وغیرہ میں بالکل تقسیم نہ کیا، لوگوں نے ہزار کوشش کی کہ عراق و شام کی زمینیں تقسیم کی جائیں، لیکن وہ نہیں مانے۔ بڑی مشاورت اور لے دے کے بعد لوگ ان کے موقف سے متفق ہو گئے۔

لیکن ہم نے رشوت کے طور پر مختلف طبقات حتیٰ کہ فوجیوں میں زمین تقسیم کر کے جاگیر داروں کے نئے طبقات پیدا کر دیئے ہیں جس کے نتیجے میں مسائل نے اور گھمبیر شکل اختیار کر لی ہے۔ اس لیے ہم حروف آخر کے طور پر حکومت، اس کے اداروں اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی تحقیقاتی ادارہ، شرعی کورٹ اور علماء سے درخواست کریں گے کہ وہ ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کریں، بے ہاتھوں کو روکیں، ان پر پابندی لگائیں اور معاشرہ میں امن و مساوات کا ماحول پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق دے۔

آمین بجرمۃ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

# مصادر مراجع

- ۱۔ الہ رائد: ص ۵۵۲ جبران مسعود بیروت ۱۹۶۷ء۔
- ۲۔ المنجد الابجدی: ص ۳۵۲ دارالمشرق بیروت، طبع ثانی
- ۳۔ المنجد: ص ۹-۱۱۸ مطبعہ کاتولیکہ ۱۹۱۹ء اول ایڈیشن۔
- ۴۔ فقہ السنۃ للسید سابق: ص ۵۶۶ ج ۳ دارالکتب العربی بیروت ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء۔
- ۵۔ عینی شرح ہدایہ: ص ۴۶۸ ج ۳۔ مصباح القدوری: ص ۲ ج ۲ مطبوعہ بہار نیپور۔
- ۶۔ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک: ص ۳۸۱ ج ۳ دارالمعارف القاہرہ بجزء الیف
- علامہ ابوالمیرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیہ حاشیہ العلامہ شیخ احمد بن محمد الصادق المالکی تحقیق و تخریج و کتبہ مصطفیٰ کمال و صفی۔
- ۷۔ المغنی لابن قدامہ: ص ۵۰۵ ج ۴ مکتبۃ الریاض۔
- ۸۔ معنی القیمحاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للشیخ محمد الشربینی الخلیل: ص ۱۶۵ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی
- داولادہ بمصر ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء۔
- ۹۔ ترجمہ مولانا محمد حسن دیوبندی معروف بہ شیخ الہند ص ۹۹ مطبوعہ مطبع نورانی۔ اچھرہ لاہور۔ آیت تمہیلا
- ۱۰۔ ترجمہ شیخ الہند رکوع نمبر ۳ سورۃ البقرہ ص ۶۰۔
- ۱۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ص ۹۳۹ ج ۷ مطبوعہ ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء۔
- ۱۲۔ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ لعبد الرحمن الجزیری: ص ۳۴۹ ج ۲ مطبوعہ مصر داس کا اردو ترجمہ علماء
- اکادمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے
- ۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ص ۹۴ ج ۷۔
- ۱۴۔ معجم فقہ ابن حزم انطاہری ص ۹۷-۲۹۶ ج ۱۔ حرف الحاء دارالفکر بیروت مطبوعہ ۱۳۸۵ھ

۱۵۵ المغنی لابن قدامہ: ص ۵۰۵: ج ۲-

۱۵۶ اللہ الہدایہ: ص ۴-۵: ج ۳ مطبع مصطفیٰ البانی الجلبلی وادلادہ بمصر مطبوعہ ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء

۱۵۷ کل مغنی المحتاج: ص ۱۶۵: ج ۲-

۱۵۸ لہ مصباح القدوری: ص ۳۵ تا ۵

۱۵۹ لہ بذایرہ المجتہد: ص ۸۰-۷۹ دار المعرفۃ بیروت پانچواں ایڈیشن ۱۳۹۰ھ ۱۹۸۱ء

۱۶۰ لہ الشرح الصغیر: ص ۸۲-۸۱: ج ۳-

۱۶۱ لہ فقہ السنۃ: ص ۵۶۶: ج ۳-

۱۶۲ لہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: ص ۹۴۰: ج ۷-

۱۶۳ لہ " " " " " " " " " " " "

۱۶۴ لہ سورۃ النساء آیت ۵-

۱۶۵ لہ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد ————— ترجمان القرآن: ص ۲۲۷: ج ۲ دہلی ایڈیشن

۱۶۶ لہ تفسیری نوٹس از مولانا آزاد- ترجمان القرآن ص ۲۲۷: ج ۲-

۱۶۷ لہ تفسیر عثمانی: ص ۱۰۰ سورۃ نساء رکوع ۷ آیت ۷

۱۶۸ لہ الجامع لاحکام القرآن: ص ۲۷: ج ۵ دار احیاء التراث العربی بیروت-

۱۶۹ لہ القرطبی: ص ۱۳۲: ج ۲-

۱۷۰ لہ القرطبی: ص ۲۸-۹: ج ۵-

۱۷۱ لہ القرطبی: ص ۳۰: ج ۵-

۱۷۲ لہ احکام القرآن للجصاص: ص ۶۰: ج ۲ سیل اکادمی لاہور-

۱۷۳ لہ احکام القرآن: ص ۶۱-۶۰: ج ۲-

۱۷۴ لہ التفسیر الواضح: ص ۱۴۸: ج ۳-۴ مطبوعہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء دارالطباعۃ الحدیثۃ القاہرہ

للدکتور محمد محمود مجازی کلیتہ اصول الدین جامعتہ الزیجر-

۱۷۵ لہ ابن کثیر ————— تفسیر: ص ۴۵۲: ج ۱: سیل اکادمی لاہور-

- ۳۶۶ الکشاف: ص ۵۰۰ ج ۱۔ دارالمعرفۃ بیروت
- ۳۶۷ المنار: ص ۳۷۸-۹ ج ۲ دارالمعرفۃ بیروت تیسرا ایڈیشن۔
- ۳۶۸ السنن الکبریٰ للبیہقی: ص ۵۴ ج ۶ مطبوعہ دائرۃ معارف الثمانیہ حیدرآباد دکن  
۱۳۵۲ھ
- ۳۶۹ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد: ص ۴۲۸ ج ۲ ترجمان القرآن۔
- ۳۷۰ تفسیر عثمانی: ص ۱۰۰ و ہکذا فی تفسیر المنار: ص ۳۸۶ ج ۴۔
- ۳۷۱ ابن کثیر: ص ۴۵۳ ج ۱ و ہکذا فی الکشاف: ص ۵۰۱ ج ۱۔
- ۳۷۲ التفسیر الواضح: ص ۱۴۹ ج ۴
- ۳۷۳ صفحۃ التفاسیر: ص ۸۰ ج ۲ دارالقرآن الکریم بیروت للاستاذ محمد علی الصابونی استاذ کلینۃ الشریعہ  
والدراسات الاسلامیہ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ۔ ۱۴۰۱ھ
- ۳۷۴ قرطبی: ص ۳۷ ج ۵ ہکذا نقل الجصاص فی احکام القرآن: ص ۴۳ ج ۲۔
- ۳۷۵ سنن کبریٰ بیہقی: ص ۵۹ ج ۶
- ۳۷۶ مولانا ابوالکلام ——— ترجمان القرآن: ص ۱۹ ج ۳۔ ساحتیہ ایڈیشن دہلی۔
- ۳۷۷ تفسیر عثمانی ——— علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۱۹۹
- ۳۷۸ تفسیر ترجمان: ص ۲۱ تا ۲۱ ج ۳۔
- ۳۷۹ تفسیر عثمانی: ص ۱۹۹۔
- ۳۸۰ التفسیر الواضح: ص ۱۳۶ ——— ص ۱۳۷ ج ۸۔
- ۳۸۱ فقہ السنۃ از ص ۵۷۲ تا: ص ۵۷۴ ج ۲۔
- ۳۸۲ بنی اسرائیل آیات ۲۶-۲۷ ترجمہ مولانا ابوالکلام
- ۳۸۳ ترجمان القرآن: ص ۴۲-۴۱ ساحتیہ دہلی ایڈیشن۔
- ۳۸۴ تفسیر عثمانی: ص ۳۶۸۔
- ۳۸۵ معاشیات، مقصد و مہناج از ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم: ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ جامعہ  
دہلی۔

- ۱۵۶ھ بحوالہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ صفر ۱۳۷۲ھ ص ۶-۳۵
- ۱۵۷ھ مولانا محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام، ص ۵۲-۲۴۸ (خلاصہ) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء۔
- ۱۵۸ھ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۷۰۶: ج ۲ مطبوعہ علماء اکادمی محکمہ اوقاف لاہور۔
- ۱۵۹ھ " " " " ص ۷۰۰: ج ۲
- ۱۶۰ھ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ: ص ۹-۷۰۶ (خلاصہ)
- ۱۶۱ھ مذاہب: ص ۲۰۷: ج ۳۔
- ۱۶۲ھ قاموس القرآن: ص ۴۰۰ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۳ء۔
- ۱۶۳ھ مصباح القدوری: ص ۶۵: ج ۶ مطبوعہ سہارنپور۔
- ۱۶۴ھ المغنی: ص ۷-۵۰۶: ج ۴۔
- ۱۶۵ھ مغنی المحتاج: ص ۱۶۸: ج ۲۔
- ۱۶۶ھ الفقہ علی مذاہب الخمسہ: ص ۳۵-۶۳۴ دار الجواد بیروت۔
- ۱۶۷ھ الشرح الصغیر: ص ۳۹۳: ج ۱۔
- ۱۶۸ھ البقرہ آیت ۲۵۶۔
- ۱۶۹ھ سنن الکبریٰ للبیہقی: ص ۷۹: ج ۶ (رشد اور غی کے لیے دیکھیں قاموس القرآن ص ۲۴۹ اور: ص ۳۸۶)۔
- ۱۷۰ھ سنن الکبریٰ: ص ۶۱-۶۶: ج ۶
- ۱۷۱ھ ان پوری روایات کی تفصیل سنن الکبریٰ: ص ۶۳: ج ۶ میں ہے۔
- ۱۷۲ھ المحلی لابن حزم: ص ۲۸۶: ج ۱ مکتبہ التجاری للطباعة والتوزیع والنشر بیروت۔
- ۱۷۳ھ المحلی: ص ۹۱-۲۸۹ (خلاصہ مضامین)
- ۱۷۴ھ کشف الغم عن بیح الامتہ از ابی المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی اشعرانی الانصاری الشافعی المصری: ص ۱۷: ج ۲۔ مصطفیٰ البابی الحلبي واولاده بمصر ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۱ء
- ۱۷۵ھ کشف الغمہ: ص ۲۰: ج ۲۔

۷۷ کشف الغمہ: ص ۲۰ ج ۲ -

۷۸ کشف الغمہ ص ۲۰ ج ۲ -

۷۹ کشف الغمہ ص ۲۰ ج ۲ -

۸۰ مسلم باب تغییر خلق اللہ ریاض ایڈیشن -

۸۱ یہ سب ارشادات علامہ یوسف القرضاوی کی کتاب "الحلال والحرام فی الاسلام" سے ماخوذ ہیں۔ ایسے موضوعات پر یہ کتاب بڑی نفیس ہے اس کا اردو ترجمہ بمبئی میں الدار السلفیہ کے زیر اہتمام شمس پیرزادہ صاحب نے کیا ہے۔ اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔ ان مباحث کے لیے دیکھیں: ص ۱۱۷ تا ۱۲۳ -

۸۲ الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۱۰۶ تا ۱۱۷ (خلاصہ)

۸۳ الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۱۲۹ تا ۱۳۹ (خلاصہ)

۸۴ افادات شاہ ولی اللہ ماخوذ از حجتہ اللہ البالغہ — مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور جون ۱۹۴۴ -  
تفصیل کے لیے دیکھیں "حجتہ اللہ البالغہ ابواب ابتغاء الرزق، البسوع المنہی عنہا" احکام البسوع اور التبسوع والتعاون از ص ۱۰۳ تا ۱۱۶ جلد دوم عربی ایڈیشن مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور -

۸۵ تفصیلات کے لیے دیکھیں صفحہ الصفوة لابن جوزی: ص ۶۴ ج ۲ - ص ۹۸ ج ۲ حیات الجنان  
ص ۶۸ ج ۱۱ ابن عبدالحکم ص ۱۶۸ -

۸۶ تاریخ طبری ص ۵۴ ج ۴ مطبوعہ لیڈن -

۸۷ طبری: ص ۵۵ ج ۴ نیز کتاب الاموال: ص ۲۶۷ -

۸۸ شمس الامیر حسنی مبسوط: ص ۱۹ ج ۳ - اسلام کے معاشی نظریے: ص ۲۰۵ ج ۲

۸۹ ڈاکٹر محمد یوسف الدین خان مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۰ء -

۹۰ کتاب الخراج لقاہنی ابی یوسف ص ۴۲ مکذافی کتاب الاموال از ابو عبیدہ -

۹۱ کتاب الخراج: ص ۱۶۳ اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی -